ماہنامہ
جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

Monthy **JUHD-E-HAQ** - April-2020 - Registered No. CPL-13 (قیمت 10 روپے) جلد نمبر 27......شمارہ نمبر 04......اپریل 2020

صاحب! کورونا کا ہی نہیں بھوک کا بھی ڈر ہے

انسانی حقوق کے عالمی دن

اپریل

2اپریل	خودفکری سے آگاہی کا عالمی دن
4اپریل	کانوں سے متعلق آگاہی اور کانوں سے متعلقہ کارروائیوں میں معاونت کا عالمی دن
6اپریل	ترقی اور امن کے لیے کھیل کا عالمی دن
7اپریل	روانڈا کے قتل عام کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
7اپریل	صحت کا عالمی دن (ڈبلیو ایچ او)
12اپریل	خلا میں انسانی پرواز کا عالمی دن
22اپریل	مادرارض کا عالمی دن
23اپریل	کتاب اور حق اشاعت کا عالمی دن
23اپریل	انگریزی زبان کا عالمی دن
25اپریل	ملیریا کا عالمی دن۔(ڈبلیو ایچ او)
26اپریل	ایجاد کے حقوق کا عالمی دن (ویپو)
28اپریل	دوران ملازمت سلامتی اور صحت کا عالمی دن
29اپریل	کیمیائی جنگ کے تمام متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
30اپریل	جاز (موسیقی) کا عالمی دن

فہرست

پریس ریلیزیں 03

ایک وائرس کا انسانوں کو پیغام 05

ثقافت سے عاری سیاست 06

خواتین کے حقوق کے تحفظ پر زور 07

پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال 08

بلوچستان میں جبری گمشدگیاں؛ واپس آنے

والے اسی حکومت میں لاپتہ ہوئے تھے 11

پاکستان میں اظہار رائے پر سختیوں

میں اضافہ ہوا ہے 13

قلیل خمری کی ڈرامہ سازی اور صنفی سوال 14

رحم کی اپیلیں اور ملکی و عالمی قانون 15

دیہاڑی دار مزدوروں کے لیے فوری ریلیف کی ضرورت ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے عالمگیر وبا کووڈ-19 کے نتیجے میں ملکی ہیلتھ ایمرجنسی کے غریب، پسے ہوئے لوگوں، خاص کر 'وقتی روزگار' پر گزر بسر کرنے والے دیہاڑی دار مزدوروں اور ورکرز پر پڑنے والے شدید منفی اثرات پر نہایت تشویش کا اظہار کیا ہے۔

تعلیمی ادارے، دفاتر، دوکانیں اور کاروبار بند ہونے سے گھر سے کام کرنے کی سہولت صرف وائٹ کالر (دفتری یا انتظامی امور انجام دینے والے) تعلیم یافتہ ملازمین کو دستیاب ہے۔ کم آمدنی والے گروہ اگر بیماری سے بچ بھی جاتے ہیں تو اُنہیں خوراک کے شدید عدم تحفظ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سماجی تحفظ کے انتظامات جیسے کہ تنخواہ سمیت چھٹی اور طبی فوائد کی کمی کا مطلب یہ ہے کہ مزدوروں کی بہت بڑی تعداد خاص طور پر اس بحران کی زد میں ہے۔

ایچ آر سی پی موجودہ حکومت کی معاشی پالیسیوں سے بہت زیادہ مایوس ہے کیونکہ یہ پالیسیاں آبادی کے ایک بڑے حصے کی ضروریات پوری کرنے میں ناکام ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ترجیحات تبدیل کی جائیں؛ اور استحکام اور پیداوار کے نام پر متمول لوگوں اور اداروں کے لیے شروع کی گئی رعایتی اسکیمیں ترک کر کے عام شہریوں کی فلاح و بہبود کو منصوبہ بندی کا حصہ بنایا جائے۔

کمیشن کا مطالبہ ہے کہ اس مشکل گھڑی میں غریب اور دیہاڑی دار مزدوروں کو صحت کی مفت سہولیات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کے لیے نقدی اور خوراک کا بندوبست بھی کیا جائے۔ ایچ آر سی پی کا یہ مطالبہ بھی ہے کہ اس ہنگامی صورت حال میں اگلی صفوں پہ کام کرنے والے محکمہ صحت کے لوگوں کو ہر قسم کا حفاظتی ساز و سامان دیا جائے تا کہ وہ اپنا کام محفوظ اور مؤثر طریقے سے کر سکیں۔

اپنے تمام شہریوں کو خوراک اور صحت کی سہولیات تک رسائی دینا ریاست کا اُن پر کوئی احسان نہیں ہوگا بلکہ یہ اس کی ذمہ داری ہے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔18 مارچ 2020]

صفائی ستھرائی پر مامور مزدوروں کو کورونا وائرس سے محفوظ رکھا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے وفاقی و صوبائی حکومتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ صفائی ستھرائی کے کام پر مامور مزدوروں جو کہ کرونا وائرس کے خلاف جنگ میں بھی صفِ اوّل کے دستے کا کام کر رہے ہیں، کو تمام حفاظتی ساز و سامان دیا جائے تا کہ وہ اپنا کام محفوظ اور مؤثر طریقے سے کر سکیں۔

صفائی ستھرائی کا کام کرنے والے کسی بھی مزدور کو چہرے پر پہننے والے ماسک، قابلِ تلف دَستانوں، حفاظتی جُوتوں اور ہاتھوں کو صاف کرنے والے سینیٹائزر کے بغیر کام کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ، اُنہیں ضمانت دی جائے کہ اگر وہ یا اُن کے کُنبے کا کوئی فرد بیمار پڑ گیا تو اُنہیں مفت طبی امداد اور بمعہ تنخواہ بیماری کی چھٹی ملے گی۔

یہ مزدور پہلے ہی مشکل حالات میں اور اکثر حفاظتی سامان کے بغیر کام کرتے ہیں؛ یہ اب وباء کا پہلے سے زیادہ آسان ہدف ہیں۔ فُضلے کا انتظام اور اسے ٹھکانے لگانا ریاست کے شعبہ صحت کی ہر حکمت عملی کا لازمی جُز ہے اور، اور ان سخت حالات میں، پاکستان بھر کے تمام میونسپل اداروں اور نجی کمپنیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مزدوروں کی صحت اور بہبود کا خاص خیال رکھیں۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔26 مارچ 2020]

ایچ آر سی پی نے پسے ہوؤں کے تحفظ کے لیے فوری معاشی انتظامات کا مطالبہ کیا ہے

کووڈ-19 وبا کا پیدا کردہ صحت کا عالمی بحران عام پاکستانیوں کی صحت اور روزی روٹی کے لیے تباہ کن اثرات کا حامل ہوسکتا ہے۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کا مطالبہ ہے کہ حکومت حقوق پر مبنی درج اقدامات کرنے میں دیر نہ کرے۔

حکومت کو چاہیے کہ وہ ملک بھر میں ہنگامی صورت حال سے نبٹنے والے طبی عملے کو حفاظتی ساز و سامان کی فراہمی کا بندوبست کرے۔ کووڈ-19 کے تمام طبی معائنوں کو قومیایا جائے اور ان کی مفت دستیابی یقینی بنائی جائے۔ قرضوں کی ادائیگی میں کم از کم

چھ ماہ کی تاخیر کا اعلان کیا جائے اور بینک دولت پاکستان کی مالیاتی پالیسی میں اس طرح کی نظر ثانی ہو کہ شرح سود کم ہو جائے۔

چھوٹے تاجروں کو ضمانت سے آزاد قرضے کی سہولت دی جائے جبکہ صنعتوں پر عائد محصولات اس شرط پر کم کیے جائیں کہ وہ اپنے عملے کو ملازمت سے فارغ نہیں کریں گے۔ احساس اور بینظیر انکم سپورٹ گراموں کے موجودہ مستفدین کے علاوہ، انہیں اس طرح استعمال کیا جائے کہ ان سے دیہاڑی دار مزدور بھی فوری طور پر فائدہ اٹھا سکیں۔

وقت کا تقاضا ہے کہ قومی ترجیحات پر دوبارہ نظر دوڑائی جائے تاکہ ملک کے معاشی نظام کی تشکیل منافع کی بجائے عوام کریں۔ حالات کا تقاضا ہے کہ وفاقی وصوبائی بجٹوں میں صحت، کم آمدنی والے لوگوں کے لیے رہائش اور سماجی حفاظت کے انتظامات کے لیے زیادہ سرمایہ رکھا جائے۔ ایچ آر سی پی کا عوام سے بھی مطالبہ ہے کہ وہ پاکستان کو درپیش بحران کا احساس کریں اور حکومت اور ڈاکٹروں کی بتائی گئی احتیاطی تدابیر اختیار کریں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 22 مارچ 2020]

عورت مارچ ریاست اور شہریوں کی مکمل حمایت کی متقاضی ہے

پاکستان کمشین برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) عورت مارچ کی کھلی حمایت کا اعلان کرتا ہے، اور مارچ میں خلل ڈالنے اور اس کے منتظمین اور حامیوں کو بدنام کرنے یا دھمکانے کی کسی بھی کوشش کی مذمت کرتا ہے۔

ایچ آر سی پی سمجھتا ہے کہ عورت مارچ پاکستان میں اور کہیں بھی انسانی حقوق کی اجتماعی جدوجہد کا لازمی حصہ ہے۔ تحریک کے منشور کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ اس کی جامعیت سے لگایا جاسکتا ہے۔ عورت مارچ کا ایک جائز مطالبہ یہ بھی ہے کہ غیر محفوظ طبقات بشمول خواتین، بچوں، اور خواجہ سرا افراد کے خلاف تشدد کا خاتمہ کیا جائے۔ اس نے جبری گمشدگیوں، ماورائے عدالت ہلاکتوں اور جنگجوئی کے خلاف بھی آواز اٹھائی ہے۔ اس نے گزارے کے مطابق اجرت کے حق، اظہار رائے اور اجتماع کی آزادی، اور پائیدار ماحول کے حق کی بھی حمایت کی ہے۔

یہ حقوق ملک کے آئین اور اس کی انسانی حقوق سے متعلق بین الاقوامی ذمہ داریوں کا حصہ ہیں۔ سب سے بڑھ کر، یہ انسانیت، ہمدردی اور دردمندی کے کسی بھی احساس کا لازمی جز ہیں۔

عورت مارچ کا نظریہ ان اقدار کی عکاسی کرتا ہے جن کی ایچ آر سی پی مسلسل حمایت کرتا رہا ہے، جن میں جامعیت، امن، جمہوریت، اور جنس، طبقہ، لسانی شناخت، معذوری، مذہب یا عقیدے، اور جنسی شناخت سے قطع نظر تمام افراد کے وقار کا تحفظ شامل ہے۔ ہزاروں نوجوان خواتین، خواجہ سرا افراد، اور مرد خواتین کے عالمی دن کے موقع پر جمع ہو کر اپنے پرامن اجتماع کا حق استعمال کریں گے اور وراثتی طور پر امتیازی سٹیٹس کو کو چیلنج کریں گے۔ یہ کوئی قابل مذمت نہیں بلکہ فخر کی بات ہے اور ریاست اور شہری دونوں کو اس کی مکمل حمایت کرنی چاہیے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 06 مارچ 2020]

ڈاکٹر مبشر حسن کی جدوجہد ناقابل فراموش ہے

ڈاکٹر مبشر حسن کی وفات سے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نہ صرف اپنے بانی رکن سے محروم ہوا ہے بلکہ ایک بزرگ سیاستدان سے بھی جن کی دانش سے ایچ آر سی پی کی تین نسلیں مستفید ہوتی رہی ہیں۔

ڈاکٹر حسن دو عشروں تک ایچ آر سی پی کے کونسل رکن رہے۔ اُس دوران، وہ کمیشن کے کام میں پوری طرح سرگرم رہے۔ ثابت قدم وقار کے حامل شخص کی زندگی اور جدوجہد اُن اقدار کی عکاسی کرتی ہے جن کی ایچ آر سی پی نے ہمیشہ سے علمبرداری چاہی ہے: تنوع، ترقی پسند اقدار، سماجی جمہوریت، ترک اسلحہ، اور ہر ایک کے لیے شہری، سیاسی، معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق۔ علاقائی امن کے لیے اُن کے عزم نے پاکستان- ہندوستان پیپلز فورم برائے امن و جمہورت کی بنیاد رکھی اُس وقت جب علاقے میں جنگ جوئی کا جنون اپنے عروج پر تھا۔ وہ اپنی پوری زندگی میں عورتوں کے حقوق کے بھی مخلص حمایتی رہے۔

اگرچہ ایچ آر سی پی کی کونسل، عام اراکین کا ایوان اور پاکستان بھر میں ایچ آر سی پی کے عملے کے لوگ اس خسارے کو بہت شدت سے محسوس کریں گے مگر کمیشن ڈاکٹر حسن کی افکار کو آگے بڑھانے میں پُرعزم ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 16 مارچ 2020]

چار مہینے ہو گئے ادریس خٹک ابھی تک لاپتہ ہے

سیاسی کارکن اور انسانی حقوق کے دفاع کار کی گمشدگی کو چار ماہ ہو چکے ہیں جس کے باعث پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) ان کی جسمانی و ذہنی بہبود کے حوالے سے بہت زیادہ فکرمند ہے۔

اطلاعات کے مطابق محترم خٹک کو 13 نومبر 2019 کو خیبر پختونخوا میں صوابی موٹروے انٹرچینج پر سادہ کپڑوں میں ملبوس چار افراد نے اٹھا کر غائب کیا تھا۔ ایچ آر سی پی اور انسانی حقوق کے عالمی اداروں جیسے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور آبزرویٹری فار دی پروٹیکشن آف ہیومن رائٹس ڈیفینڈرز کی کوششوں کے باوجود، حکام نے ان کی جبری گمشدگی کو سنجیدہ نہیں لیا۔ یہ مسئلہ اس لیے اور زیادہ سنگین ہے کہ محترم خٹک ذیابیطس کے مریض ہیں اور انہیں روزمرہ بنیاد پر علاج معالجے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایچ آر سی پی کا مطالبہ ہے کہ حکومت محترم خٹک کی بحفاظت بازیابی کے لیے ہر ممکن اقدام کرے، ان کی صحت پر فوری توجہ دے، انہیں وکیل تک توجہ دے اور مجرموں کے خلاف کاروائی کرنے میں تاخیر نہ کرے۔

انکوائری کمیشن برائے جبری گمشدگان کے پاس فروری 2020 کے اختتام تک جبری گمشدگیوں کے 2,128 واقعات (ایک ایسی تعداد جو ایچ آر سی پی کے خیال میں اصلی تعداد سے بہت کم ہے) درج تھے، چنانچہ حکومت کو تمام افراد کو جبری گمشدگیوں سے تحفظ کے عالمی میثاق پر دستخط کر کے اور اس کا اطلاق کر کے اس قابل نفرت عمل کے خلاف فیصلہ کن قدم اٹھائے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 13 مارچ 2020]

فرقہ وارانہ تشدد کو پھیلنے سے روکا جائے

دہلی میں گھمبیر صورت حال جہاں تشدد بلوائیوں کو انتظامیہ نے اقلیتی مسلم برادری کے شہریوں کو کچلنے، ان کی جائیداد کو جلانے، اور مساجد پر حملے کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے، بہت ہی زیادہ قابل مذمت ہے۔ یہ ایک ایسے وقت پر ہو رہا ہے جب کشمیر کے لوگ پہلے ہی سات ماہ سے محاصرے میں ہیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کا خیال ہے کہ دہلی میں تشدد میں اور کشمیر کا محاصرہ عالمی برادری کی فوری توجہ کے مستحق ہیں۔ دونوں پیش رفتوں نے جنوبی ایشیا میں اقلیتوں کو غیر محفوظ بنایا ہے۔ ہم نے ماضی میں ایسے واقعات پر اس جیسا ہی متشدد ردعمل کا مظاہرہ دیکھ رکھا ہے۔

جنوبی ایشیا میں فرقہ ورانہ تشدد خلا میں وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ اکثر ایک میکانکی اثر ہوتا ہے جس سے کسی ایک ملک میں اقلیتوں کے خلاف ریاستی تشدد سے ہمسایہ ممالک میں اس اقلیت کے خلاف تشدد پھوٹ پڑتا ہے۔ ہماری مشترکہ تاریخ، زبانیں اور ثقافتیں، اور یہ حقیقت کہ جنوبی ایشیا کے تمام ملک اپنے شہریوں کے انسانی حقوق کی پاسداری کے پابند ہیں، ہماری اجتماعی طاقت ہونی چاہیے۔

ایچ آر سی پی کا عالمی برادری، اور تمام حکومتوں سے مطالبہ ہے کہ وہ تمام اقلیتوں سے مساوی شہریوں جیسا سلوک کریں، اور پورے خطے میں ان کی حفاظت اور بہبود کی ضمانت دیں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 03 مارچ 2020]

ایک وائرس کا انسانوں کو پیغام

زاہدہ حنا

سب سے پہلے ان تمام بہادروں کو سلامِ عقیدت جو ہمارے اور موت کے درمیان ایک دیوار بن کر کھڑے ہیں۔ سلام ان کو جو موت کے وائرس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے ہماری طرف بڑھنے سے روک رہے ہیں۔ پاکستان کا ایک نوجوان ڈاکٹر اور ایک نرس اپنی جان قربان کر چکے ہیں اور ایک سینٹری ورکر موت وزیست کی کش مکش میں مبتلا ہے۔

قربانی کی ایسی بے مثال داستانیں دنیا کے ہر ملک میں رقم ہورہی ہیں۔ یورپ کے نظام صحت پر غیر معمولی دباؤ ہے، اسپتالوں اور لیبارٹریوں میں کام کرنے والے ڈاکٹروں، نرسوں، پیرا میڈیکل کارکنوں ،سینٹری ورکرز سمیت طبی شعبہ سے وابستہ ہر فرد پر کام کا کئی سو گنا دباؤ بڑھ چکا ہے۔ اٹلی، فرانس اور اسپین میں کورونا وائرس کا شکار ہو کر 30 سے زیادہ نگہداشت صحت سے وابستہ پیشہ ورافراد اپنی جانیں لوگوں کی جانیں بچاتے ہوئے گنوا چکے ہیں۔

اٹلی کا بریشیا (Breseia) صوبہ جو اس وبا کا مرکز بنا ہوا ہے، یہاں کے 10 سے 15 فیصد ڈاکٹر اور نرسیں اس وائرس میں مبتلا ہیں۔ اس موقع پر ہمیں اس عظیم خاتون رضا کار جنیفر ہیلر کو بھی خراج تحسین پیش کرنا ہوگا جو بالکل صحت مند ہیں اور انھوں نے امریکا کے شہر سیٹل (Seatle) میں تیار ہونے والی ویکسین کے لیے خود کو پیش کیا۔ انھیں اس ویکسین کی پہلی خوراک لگادی گئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر انسان اس وقت خود کو انتہائی بے بس محسوس کر رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہی وہ وقت ہے جب مجھے ان کی مدد کے لیے آگے بڑھنا چاہیے۔ اس ویکسین سے ان کی جان بھی جاسکتی ہے، اگر وہ محفوظ رہیں تو اس دوا کو مزید 45 صحت مند افراد پر آزمایا جائے گا۔

اس عالمی وبا نے پوری دنیا کے لوگوں کو تنہائی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے تاکہ اس وبا کو مزید پھیلنے سے روکا جاسکے۔ اب لوگوں کو یہ موقع ملا ہے کہ وہ فرصت اور تشویش کے ان دنوں میں اس بات پر ضرور غور کریں کہ ہم آخر اس صورتحال سے کیوں دوچار ہوئے ہیں۔ سب سے پہلا غور طلب نکتہ یہ ہے کہ دنیا نے ایک سال کے اندر 1822 کھرب ڈالر دفاع پر خرچ کیے ہیں۔ اس حوالے سے امریکا 649 ارب ڈالر کے ساتھ سر فہرست ہے۔

اس کے بعد چین 250، برطانیہ 50، جرمنی 49 ارب ڈالر سالانہ دفاع پر خرچ کرتے ہیں۔ اتفاق دیکھیے کہ یہی وہ ممالک ہیں جہاں کورونا وائرس کی وبا نے سب سے زیادہ تباہی مچائی ہے۔ ان ملکوں نے اپنے دفاعی اخراجات کم کر کے صحت کے شعبے کی ترقی پر لگا دیے ہوتے تو آج انھیں یہ غیر معمولی جانی نقصان برداشت نہ کرنا پڑتا۔ امریکا کا سب سے بڑا شہر نیویارک اس وبا کا مرکز ہے۔

نیو یارک کے گورنر آندریو کیومو اس وقت انتہائی پریشان ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کورونا وائرس ان کی ریاست میں ''بلٹ ٹرین'' کی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے پھیل رہا ہے۔ نیو یارک کے پاس وینٹی لیٹرز کی شدید کمی ہے۔ وہاں **10** ہزار وینٹی لیٹرز ہیں جب کہ لوگوں کو مرنے سے بچانے کے لیے کم از کم **30** ہزار مزید وینٹی لیٹرز کی ضرورت ہے۔ اس طرح دیگر طبی ضروریات کی بے حد کمی ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی معیشت اور سب سے بڑی فوجی طاقت اپنی ایک ریاست کی مالی ضروریات کو پوری کرنے سے قاصر ہے۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ ریاست کے لیے اپنے شہریوں کی صحت اور زندگی کتنی اہمیت رکھتی ہے؟ کورونا وائرس نے اس حقیقت کو آشکار کر دیا ہے کہ ایٹمی ہتھیار، بین البراعظمی میزائل، جدید ترین طیارے، آبدوزیں اور ٹینک ایک چھوٹے سے وائرس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ جب یہ وائرس حملہ آور ہوتا ہے تو اس کا مقابلہ ڈاکٹر، نرس اور پیرا میڈیکل عملہ کرتا ہے۔ لوگوں کا علاج اسپتالوں میں ہوتا ہے۔ یہ کام کوئی اور نہیں کرسکتا۔ لہٰذا جب یہ وبا ختم ہوجائے گی تو عالمی رائے عامہ اپنی اپنی ریاستوں سے یہ سوال ضرور کرے گی کہ آپ ایک دوسرے سے لڑنے، محاذ آرائی کرنے اور لوگوں کے ٹیکس کے پیسوں کو دفاع پر کم اور انسانی صحت، فلاح و بہبود اور تعلیم پر زیادہ خرچ کریں۔

اس نظر نہ آنے والے ایک معمولی سے وائرس نے انسانوں کو بڑے صاف انداز میں اس کی حیثیت یاد دلا دی ہے۔ کورونا وائرس کا کہنا ہے کہ میں ایک وائرس ہو کر انسانوں سے تفریق نہیں کرتا، میں ایشیا، افریقا، لاطینی امریکا، گورے، کالے، بھورے اور پیلے، صنف، نسل، قومیت اور طبقات میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتا۔ جو میرے قریب آتا ہے میں اسے اپنے گلے سے لگا کر موت سے ہم کنار کر دیتا ہوں۔ لیکن تم تو خود تمام مخلوق سے افضل ہونے کا دعویٰ کرتے ہو لیکن تم ایک دوسرے کے درمیان کتنا فرق اور امتیاز روا رکھتے ہو۔ گورا، کالے کا دشمن ہے، ایشیا کے لوگ مغرب سے نبرد آزما ہیں۔

یورپی دوسروں کو خود سے کم تر تصور کرتے ہیں۔ ایک مذہب کا پیروکار دوسرے کو مٹا دینا چاہتا ہے۔ سرمایہ دار غریب اور محنت کش کو لوٹتا ہے، عورتوں کے خلاف بدترین امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے، انھیں مردوں کے برابر تنخواہ تک نہیں دی جاتی۔ کورونا وائرس انسانوں سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ تم لوگوں نے اگر ہوش کے ناخن لیے اور درست تدبیر کی تو میں زیادہ لوگوں کو ہلاک کیے بغیر رخصت ہو جاؤں گا لیکن ذرا تم اپنے آپ پر ایک نظر ڈالو اور بتاؤ کہ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے کتنے کروڑ لوگوں کو قتل اور ہلاک کیا۔ زیادہ دور کی بات نہیں ہے، یورپی اور امریکی آباد کاروں نے 16 ویں اور 17 ویں صدی اور اس کے بعد 19 ویں صدی تک افریقا کے لوگوں کو غلام بنایا اور ان سے جبری کاشتکاری کروائی، بحیرہ اوقیانوس سے ہونے والی غلاموں کی اس تجارت میں کم از کم ایک کروڑ پچاس لاکھ معصوم افریقی موت سے ہم کنار ہوئے، منگولوں نے جو تباہی مچائی تھی ان میں 6 کروڑ لوگوں کو قتل کیا گیا، پہلی جنگ عظیم میں 6 کروڑ 50 لاکھ اور دوسری جنگ عظیم میں 7 کروڑ 20 لاکھ انسان، انسانوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔ یہ تو محض چند واقعات ہیں ورنہ تاریخ کا وہ کون سا دور تھا جب انسان نے انسان کو قتل نہ کیا ہو، تاریخ کا ہر صفحہ خون سے تر ہے، وباؤں سے بہت سے انسان ہلاک ہوئے لیکن پھر انسان نے ان وباؤں پر قابو پالیا۔ لیکن انسان جس طرح انسانوں کو قتل کرتا چلا آرہا ہے اس پر اب تک کوئی قابو نہیں پا سکا ہے۔

کورونا وائرس نے دنیا کو وارننگ دی ہے کہ تم لوگ ایک دوسرے سے لڑنے اور نفرت کرنے میں اتنا مصروف ہو چکے ہو اور اس کام پر اتنا زیادہ سرمایہ خرچ کر رہے ہو کہ تم میرا مقابلہ کرنے کے اہل نہیں ہو۔ جان اور مال کی بھاری قیمت ادا کر کے تم مجھ پر قابو پاؤ گے اور اس کے بعد آپس میں پہلے کی طرح دوبارہ دست و گریباں ہو جاؤ گے اور میں دوبارہ کسی نئی شکل اور کسی نئے نام کے ساتھ حملہ آور ہو جاؤں گا۔

تم کب تک میرا مقابلہ کرو گے، تم لوگوں کے رویے تبدیل نہ ہوئے تو ان تم مجھ جیسے ایک معمولی اور نظر تک نہ آنے وائرس کے ہاتھوں فنا بھی ہو سکتے ہو۔ مجھ سے مقابلہ کرنا ہے تو سب سے پہلے میری ہی طرح دوسروں سے فرق کرنا ختم کرو، میرا اصل حقیقی توڑ تم سب کا آپس میں اتحاد ہے۔ جب تک تم ایک دوسرے کے ساتھ امتیاز روا رکھو گے، اپنے لوگوں کی صحت اور معیاری زندگی پر سرمایہ کاری نہیں کرو گے، وینٹی لیٹرز، اسپتال، ڈاکٹر، نرس اور پیرا میڈیکل اسٹاف کی ترقی پر اسلحے کی پیداوار اور فروخت سے زیادہ اخراجات نہیں کرو گے اس وقت تک کچھ بھی کر لو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس)

تہذیب سے عاری سیاست

آئی۔اے۔رحمان

گزشتہ چند ہفتوں کے دوران پیش آنے والے چند ناخوشگوار واقعات نے ایک بار پھر اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جمہوری مزاج کو فروغ دیتے ہوئے جلد از جلد نمائندہ حکمرانی کو مضبوط بنایا جائے۔ شروع کرتے ہیں اس واقعے سے جس میں ایک وفاقی وزیر ٹی وی شو کے دوران میز پر فوجی بوٹ رکھتے ہوئے حزبِ اختلاف سے تعلق رکھنے والے سیاستدانوں سے محاذ آرا ہوئے۔ اس واقعے کو ایک بری حرکت قرار دیا گیا اور تہذیب کے فقدان کے سبب وزیر کی مذمت کی گئی۔

یہ غیر سنجیدہ حرکت دراصل اس سرکاری بیانیے کی ایک کڑی تھی جس کا آغاز و انجام اپوزیشن کو بُرا دکھانے پر ہوتا ہے۔ چند مخصوص گھٹیا الفاظ حزبِ اختلاف میں 'دیگر' کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ناپختہ سوچ کے حامل تنظیمی گروہ میدان میں ہوں تو پھر سیاستدانوں کی آپسی زبانی لڑائی بیہودہ زبان تک جا پہنچتی ہے۔

اس واقعے کا اہم ترین پہلو یہ رہا کہ اس نے سیاسی طور پر نابالغ رویے کو آشکار کیا، اور ساتھ ساتھ دنیا بھر میں چلنے والی اکثریت پسند ریاستی نمونے کے خاتمے کی تحریک سے منہ موڑتے ہوئے شراکتی جمہوریت اپنانے کی مہم سے لاعلمی ظاہر کی۔ شراکتی جمہوریت کے اندر پارلیامنٹ میں اکثریت رکھنے والی جماعت چھوٹی جماعتوں کو ملکی امور سنبھالنے میں اپنا حصہ ڈالنے کے حق کو تسلیم کرتی ہے، چاہے وہ جماعتیں حزبِ اختلاف کا ہی حصہ کیوں نہ ہوں۔

حزبِ اختلاف کو قائمہ کمیٹیوں میں حصہ دے کر اور خاص طور پر پبلک اکاؤنٹ کمیٹی کی سربراہی اور حزبِ اختلاف کے رہنما کے لیے مختص اور اہم تعیناتیوں میں ان کی مشاورت کو شامل کر کے پاکستان اس سمت کی قدم بڑھا چکا ہے۔ چنانچہ اقتدار کے میدان میں ایک دوسرے کے مدِمقابل ہونے کے باوجود حکمران اور حزبِ اختلاف جماعتیں عوامی بھلائی کے فروغ میں شراکت دار قرار پاتے ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے کی تحقیر کے ذریعے مباحثے کو خراب کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

حکومت نے ایک طویل عرصے تک مخمصے کا شکار رہنے کے بعد یہ سبق سیکھا۔ ابتدائی طور پر انہوں نے حزبِ اختلاف کو یکسر نظرانداز کیا اور حکمناموں کے ذریعے حکمرانی کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن جب حزبِ اختلاف آرمی چیف کی مدت ملازمت میں توسیع سے متعلق معاملے پر مدد کے لیے آگے آئی تو حکمران اتحاد نے دو طرفہ اتفاق رائے کے امکانات کو تسلیم کیا اور پھر کئی مشکل مسائل کا حل ممکن ہوا۔ اسے جمہوری ثقافت کے حق میں کی گئی ایک معمولی پیش رفت قرار دیا جاسکتا ہے۔

پھر پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے سربراہ نے خیبر پختونخوا کی کابینہ کے 3 ارکان کو فارغ کردیا۔ ان پر پارٹی نظم وضبط کی خلاف ورزی کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ بعدازاں ان کو ہٹانے کی وجہ خراب کارکردگی بتائی گئی۔ تاہم جو بات لوگ پہلے سے ہی جانتے تھے وہ یہ تھی کہ ان وزرا میں شامل ایک وزیر نے ٹی وی پر آکر یہ کہا تھا کہ موجودہ وزارت سابقہ پی ٹی آئی حکومت کی ہی ماتحت رہنے والی وزارت کے مقابلے میں بدتر کارکردگی پیش کررہی ہے۔ خیر معاملے کو نہ تو پارٹی کی ضابطہ اخلاق کمیٹی کے پاس بھیجا گیا نہ ہی متعلقہ وزرا کو اپنے دفاع کا کوئی موقع فراہم کیا گیا۔ کچھ وقت بعد فارغ کیے گئے وزرا میں سے 2 وزرا پارٹی سربراہ سے ملے جنہوں نے وزرا کی دوبارہ تعیناتی کا اشارہ دے دیا۔

اس پورے معاملے سے حکومت کی ساکھ کسی بھی طور پر بہتر نہیں ہوئی بلکہ جمہوری اصولوں کے بجائے آمر حکمرانوں کے طریقوں کو ترجیح دے کر اپنے ہاتھوں سے ہی اپنا تماشا بنانے کا موقع فراہم کیا۔ (ایک وزیر نے قومی اسمبلی میں کھڑے ہوکر سرِعام پھانسی کا مطالبہ کیا، تاہم پارٹی کے ضابطہ اخلاق کی وجہ سے 3 وزرا اس کی حمایت نہیں کرسکے۔)

> سب سے بڑی اتحادی جماعت یہ سمجھنے سے قاصر نظر آتی ہے کہ حکومت میں شامل اس کے شراکت داروں کی دلچسپی کا محور صرف اور صرف اقتدار میں حصہ داری ہے۔

اب صورتحال یہ ہے کہ حکومت کے اتحادی اور ان کی جانب سے حکومت کے خلاف وعدوں کی تکمیل میں عدم دلچسپی کی شکایتوں کے بعد اب حکومتی نمائندے بوکھلاہٹ کا شکار نظر آتے ہیں۔ ایک طرف ایم کیو ایم اپنی خفیہ شکایتوں کے ساتھ منہ پھلائے بیٹھی ہے تو دوسری طرف پاکستان مسلم لیگ (ق) کے رہنما جارحانہ انداز میں پی ٹی آئی پر اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کا الزام عائد کررہے ہیں۔ گجرات کے چھوٹے چوہدری نے تو پیپلز پارٹی کی تعریف کرتے ہوئے اسے مثالی اتحادی کہہ کر پی ٹی آئی کے زخموں پر نمک چھڑک دیا ہے۔ تازہ ترین خبر یہ ہے کہ حکومت نے مسلم لیگ (ق) کے مطالبات کو تسلیم کرلیا ہے اور نئے مطالبات سامنے رکھنے تک دونوں کے درمیان امن رہے گا۔

سب سے بڑی اتحادی جماعت یہ سمجھنے سے قاصر نظر آتی ہے کہ حکومت میں شامل اس کے شراکت داروں کی دلچسپی کا محور صرف اور صرف اقتدار میں حصہ داری ہے، البتہ بلوچستان نیشنل پارٹی مینگل (بی این پی - م) کو شاید اس فہرست میں شمار نہیں کیا جانا چاہیے کیونکہ اس جماعت نے حکومت کی حمایت کو عوامی مسئلے (جبری گمشدگیوں) کے حل سے مشروط کیا ہے۔ کسی بھی طرز کی نظریاتی لفاظی پی ٹی آئی کے اتحادیوں کو اقتدار کے مفادات قربان کرنے پر مائل نہیں کرسکتی اور نہ ہی مفادِ عامہ کا کوئی حوالہ کام آسکتا ہے۔ پی ٹی آئی کو یہ بات نظرانداز نہیں کرنی چاہیے کہ بعض اوقات اتحادی حکومت میں چھوٹی جماعتوں کو پارلیمان میں قلیل نمائندگی سے بڑھ کر اقتدار کا حصہ دار بنانا پڑجاتا ہے۔

حکومت کا اپنے اتحادیوں سے مسائل کا بنیادی تعلق جماعتوں کی سیاسی ساختوں سے ہے۔ حکامِ بالا چند جماعتوں کو حقیقی سیاسی جماعتیں تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ان جماعتوں سے تعلق رکھنے والے اگرچہ تمام قانون ساز نہیں مگر کچھ ایسے ہیں جو سفری پرندیں ہیں، جو ہر کچھ عرصے بعد دوسری جماعتوں کی صفوں میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ 2018ء میں دیگر جماعتوں سے نکل سے جو افراد پی ٹی آئی میں شامل ہوئے ہیں انہوں نے بھی شاید آخری بار پارٹی لیبل نہیں بدلا ہے۔ قانون سازوں کی وفاداری برقرار رکھنے کے لیے ترقیاتی فنڈز کے استعمال کا رجحان اب اس قدر پختہ جڑیں پکڑ چکا ہے کہ اس کھلے عام بدعنوانی کے خلاف آواز اٹھانے والا کوئی ایک شخص نہیں ملتا۔

تمام سیاسی کارکنان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ پاکستان ہو یا پھر دنیا کا کوئی دوسرا ملک، جمہوری ثقافت کے بغیر وہاں ایک حقیقی نمائندہ حکومت قائم نہیں ہوسکتی۔ جمہوری ثقافت کے جن اجزا پر ہم بات کر رہے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ ریاستی اہلکاروں کی مداخلت سے پاک آزادانہ اور شفاف انتخابات کا انعقاد
☆ کسی بھی قانون ساز ادارے کے انتخابات میں حصہ لینے کے خواہاں امیروں اور غریبوں کو برابری کی بنیاد پر مواقع کی فراہمی
☆ قانون سازوں کی جانب سے بنائے گئے امورِ ریاست کی ضابطہ بندی کی پابندی
☆ تقسیم اقتدار کے اصولوں کی مکمل پاسداری
☆ وفاقی اکائیوں کے حقوق کا مکمل احترام
☆ صرف ان قوانین کی حکمرانی جو آئینی طور پر جائز عمل کے ذریعے منظور کیے گئے ہیں
☆ مختلف پارلیمانی گروہوں کے درمیان باہمی احترام پر مبنی تعلقات

جمہوری ثقافت یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ مختلف سیاسی جماعتوں میں شمولیت کے خواہاں تمام افراد کسی بھی جماعت کا حصہ بننے سے پہلے یہ جائزہ لیں کہ وہ عوامی مقاصد کے فروغ کے اپنے پروگرام پر کتنے سنجیدہ ہیں جبکہ وہ افراد جنہیں قانون ساز اداروں میں عوام کی نمائندگی یا پھر وزارتوں میں شامل کرنے کے لیے منتخب کیا گیا ہے وہ اپنے عہدوں کو ہی اپنا کل اور واحد انعام تصور کریں۔

اس وقت صورتحال کچھ ایسی ہوچکی ہے کہ بااصول سیاست کی باتیں اس قدر مثالی محسوس ہوں گی کہ جن کو حقیقت کا روپ دینا مستقبل قریب میں تو ناممکن ہے۔ تاہم جمہوری رویے کی ثقافت کو فروغ دینے کے لیے اگر ہم چھوٹے چھوٹے اقدامات بھی اٹھاتے ہیں تو اس سے سیاست کی وہ حرمت بحال ہوسکتی ہے جس کے بغیر سیاست خودغرض افراد اور گروہوں کے لیے ایک غلیظ کھیل ہی رہے گی۔ (انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

خواتین کے حقوق کے تحفظ پر زور

اسد بلوچ

خواتین کے عالمی دن کے موقع پر 8 مارچ 2020 کو ایچ آرسی پی اسپیشل ٹاسک فورس تربت مکران، ادارہ استحکام شرکتی ترقی، رہنما، ایف پی اے پی تربت، نیشنل رورل پروگرام اور رائزنگ یوتھ آف بلوچستان تربت کے تعاون سے ملا فاضل ہال ایس پی او تربت میں ایک سیمینار منعقد ہوا جس سے خطاب کرتے ہوئے بلوچستان کے صوبائی وزیر خزانہ میر ظہور احمد بلیدی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ صوبائی حکومت خواتین کو با اختیار بنانے کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہے۔ وہ تربت میں 50 ایکڑ پر مشتمل ویمن انکلیو بنا رہے ہیں جس میں مختلف شعبے قائم کریں گے جہاں خواتین کو قانونی، طبی، معاشی امداد دی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ حقوق حاصل کرنے کے لیے حقوق کو سمجھنا اور ان کا صحیح ادراک لازمی ہے، بدقسمتی سے ہم نے اپنی 50 فیصد آبادی کو غیر متحرک کر دیا ہے، انہیں اچھا مقام دینے کے بجائے ہمیشہ کمتر سمجھا گیا ہے اس وجہ سے ہمارا معاشرہ بہت پیچھے ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ مرد اور عورت ہر حوالے سے برابر ہیں۔ اس سوچ کو پروان چڑھا کر ہم ایک پر امن ماحول اور خوب صورت معاشرہ بنا سکتے ہیں۔ حکومت بلوچستان جنسی مساوات اور عورتوں کی خود مختاری کے حوالے سے کام کرنے میں سنجیدہ ہے۔ مختلف ادوار میں صوبائی حکومتوں نے عورتوں کو با اختیار بنانے کے لیئے کام کیے مگر موجودہ حکومت کئی منصوبوں کو عملی شکل میں سامنے لانے کا پروگرام بنا چکی ہے۔

تعلیمی پالیسی کے تحت صوبے کے 8 ہزار پرائمری اسکولوں کو جینڈر فری اسکول بنانے جا رہے ہیں جن میں خواتین ٹیچنگ اسٹاف کو تعینات کیا جائے گا اس سے نا صرف روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے بلکہ تعلیم میں بھی بہتری پیدا ہونے کے امکانات ہیں، تعلیم کی بہتری کے لیئے بہت سے منصوبے شروع کیئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صوبائی بجٹ میں تعلیم پر 75 ارب روپے مختص ہیں، 63 ہزار اساتذہ صوبے میں کام کر رہے ہیں لیکن تعلیم میں بڑی بہتری نظر نہیں آ رہی اس لیے صوبائی حکومت کو انہوں نے دور دراز علاقوں میں بند اسکولوں کو پرائیوٹ اداروں کے ساتھ مل کر فعال بنانے کا مشورہ دیا ہے۔ صوبے کی مختلف یونیورسٹیوں کو گرانٹ دی گئی ہے جن میں تربت یونیورسٹی بھی شامل ہے۔ انہوں نے بطور فنانس کمیشن کے چیئرمین تربت یونیورسٹی میں شٹل سروس شروع کرنے کا مشورہ دیا ہے تاکہ تمپ، ہوشاپ اور دور دراز علاقوں کے طلبہ و طالبات کو پڑھنے کا موقع ملے۔ سیمینار سے ماہر نفسیات ڈاکٹر تاج بلوچ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بلوچوں میں باہمت عورتوں کی کمی نہیں، ڈاکٹر نگینہ بلوچ ہمت اور حالات کے ساتھ لڑنے والی بہادر خاتون کی سب سے بڑی مثال ہیں۔ وہ اس علاقے اور اپنے خاندان کی پہلی لیڈی ڈاکٹر ہیں۔ انہوں نے ہر طرح کے مشکل حالات کا مقابلہ کیا اور اپنے خاندان میں عورتوں کو با اختیار بنانے کے ساتھ معاشرے میں عورتوں کے حوالے سے ایک بہتر سوچ پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے کہا کہ کسی بھی معاشرے میں ترقی کو ناپنے کا معیار انسانی ترقی کی شرح ہے، ہمارے ہاں انسانی ترقی کی شرح بے حد کم ہے جو افسوس ناک امر ہے۔ گزشتہ بیس سالوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو ہمارے ہاں دوران حمل شرح اموات کم ہونے کے بجائے مزید زیادہ ہوگئی ہے، اسکولوں میں طالبات کے داخلہ کی شرح زیادہ نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر نگینہ بلوچ نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ صرف ایک دن مخصوص رکھ کر سارا سال مظلوم عورتوں کو یاد نہ رکھنے کا عمل کسی طرح بھی حوصلہ افزا نہیں ہے۔ ہمارے معاشرے کی گ عورتیں بہت ساری مسائل میں گھری ہوئی ہیں۔ کئی ایسے مسائل بھی ہیں جن کا ہم نام نہیں لے سکتے۔ جب تک عورتوں کو خود سامنے آ کر اپنے مسائل سے لڑنے اور حق کے لیے آواز اٹھانے کی ہمت پیدا نہیں ہوگی ان کی مشکلات میں کمی بڑا مشکل کام ہے۔

سماجی رہنما گل افروز گل نے کہا کہ نامناسب رویے، صحت کی سہولیات کے فقدان اور دیگر وجوہات کی بنا پر ہر ماہ سینکڑوں حاملہ خواتین ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔ ضلع کیچ میں شہر کے علاوہ کسی بی ایچ یو میں کوئی لیڈی ڈاکٹر موجود نہیں۔ بیشتر عورتیں آج بھی ہسپتال آنے کے بجائے گھروں میں بچے پیدا کرتی ہیں جن کی مختلف وجوہات میں سے ایک اہم وجہ مردوں کا انہیں ہسپتال جانے کی اجازت نہ دینا ہے۔ اسکولوں میں طالبات کے اخراج کی شرح بہت زیادہ ہے۔ کیچ کے دیہی علاقوں میں پرائمری کے علاوہ کوئی مڈل یا گرلز ہائی اسکول موجود نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ عورتوں کی حالت اور حیثیت میں بنیادی تبدیلی لائے بغیر معاشرتی ترقی اور آگے بڑھنے کا عمل ناممکن ہے۔ خواتین کو سماجی اور سیاسی شعور دیا جائے تب جا کر وہ اپنے مسائل پر قابو پا سکتی ہیں۔ رائزنگ یوتھ آف بلوچستان کی چیئرپرسن زرگل زبیر نے کہا کہ کم عمری کی شادی عورتوں کو زندگی کے خواہشات سے پرے رکھنے اور تعلیم سے دور رکھنے کا ایک اہم محرک ہے۔ تعلیم کے بغیر عورت اپنی پہچان اور حیثیت نہیں بنا سکتی، تعلیم کے حصول کے لیئے سہولیات لازمی ہیں سیمینار سے ڈاکٹر سمی پرواز، فاطمہ نذیر، گنجی علی محمد، حضرہ محمد بخش، روبینہ گنگزار، صباء شکیل، جویریہ

رحیم، ایڈوکیٹ گل بانو، سنیہ کریم اور حانی یونس نے خطاب بھی کیا۔ اور خواتین کے حقوق اور اُن کی خلاف ورزیوں پر تفصیل سے گفتگو کی۔ امیں اتفاقِ رائے سے ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا کہ گزشتہ دنوں متعلقہ افسران نے اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کو چھپانے کی خاطر 114 فیمل اور میل اسکول ٹیچروں کو برطرف اور 64 فیمیل اور میل اسکول ٹیچروں کو معطل کروایا تھا۔ جن کی بحالی کے لئے متعلقہ صوبائی افسران، وزراء اور اسمبلی ممبران سے عوام اور عوامی اداروں کی طرف سے بہت زیادہ مطالبات کئے گئے مگر تا حال انہیں بحال نہیں کیا گیا چنانچہ سیمینار کے شرکاء نے مزکورہ قرارداد کے ذریعے کسی امتیاز کے بغیر جملہ برطرف اور معطل فیمیل اور میل اسکول ٹیچروں کی فوری بحالی کا پرزور مطالبہ کیا۔ سیمینار کی نظامت کے فرائض ماہین وھاب اور زلیخہ عصاء نے سرانجام دیے۔

پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال

2019 میں پیش آنے والے واقعات

کراچی: پاکستان میں پاکستانی صحافی 03 مئی 2019 کو صحافت کے عالمی دن کے موقع پر شمعیں روشن کر رہے ہیں

وزیراعظم عمران خان نے جولائی 2018 میں اپنے عہدے پر براجمان ہونے کے بعد سماجی انصاف کو ترجیح بنانے کا عہد تو ضرور کیا تھا مگر ان کی انتظامیہ نے ذرائع ابلاغ، حزب اختلاف اور غیر سرکاری تنظیموں (این جی اوز) پر پابندیاں بڑھادی ہیں۔

لوگوں کی بہت بڑی تعداد پاکستانی طالبان، القاعدہ، اور دیگر مسلح گروہوں کے حملوں میں ماری گئی ہے۔ انتہاپسند گروہوں، سرکاری اہلکاروں، اور سیاستدانوں نے ذرائع ابلاغ کو دھمکیاں دیں اور صحافیوں پر متشدد حملے کیے۔

عورتوں، مذہبی اقلیتوں اور خواجہ سراء برادری کو تشدد، امتیازی سلوک اور ایذارسانی کا بدستور سامنا رہا جبکہ حکام اُنہیں مؤثر تحفظ فراہم کرنے یا مجرموں کو جوابدہ ٹھہرانے میں اکثر ناکام رہے۔

حکومت نے سیاسی جماعتوں کے اراکین اور حامیوں کے خلاف کاروائیاں کیں۔ ریاست کے سابق سربراہوں اور کابینہ کے اراکین سمیت حزب اختلاف کے کئی اراکین کو بدعنوانی کے الزامات میں گرفتار کیا گیا۔ پشتون تحفظ موومنٹ (پی ٹی ایم) کے اراکین نے احتجاجی مظاہرے کیے جن میں ماورائے عدالت قتل اور جبری گمشدگیوں کے واقعات میں ملوث افراد کی جوابدہی کا مطالبہ کیا گیا۔

مئی میں، توہین رسالت کے مقدمے میں آٹھ برس جیل میں گزارنے والی مسیحی خاتون آسیہ بی بی کو رہا کیا گیا اور اپنے خاندان سے دوبارہ ملنے کی اجازت دینے کے لیے کینیڈا جانے کی اجازت دی گئی۔

اظہار رائے کی آزادی اور سول سوسائٹی پر حملے

پاکستان کے ذرائع ابلاغ خوف کی فضا میں کام کرتے رہے جس سے سرکاری سیکیورٹی فورسز اور انتہاپسند گروہوں کے مظالم کی کوریج متاثر ہوئی۔ 16 جون کو ایک آزاد پیشہ ور صحافی محمد بلال خان، جو سیاسی معاملات پر ایک مقبول یوٹیوب چینل چلاتا تھا، کو اسلام آباد میں تیز دھار آلے کے پے در پے وار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اس قسم کے خطرات اور حملوں کے ردعمل میں، صحافیوں میں سیلف سنسرشپ اختیار کرنے کا رجحان بڑھا ہے۔

سرکار پر تنقید کرنے پر ذرائع ابلاغ پر حکام کا دباؤ بڑھا ہے۔ بعض واقعات میں، انضباطی ایجنسیوں نے کیبل آپریٹرز کو ایسے نیٹ ورک بند کرنے کی گئی ہدایت کی جو تنقیدی پروگرام نشر کرتے تھے۔ ایک نجی ٹیلی ویژن چینل جیو ٹی وی کو حکومت پر تنقیدی ادارتی پروگرام چلانے کی پاداش میں بند کر دیا گیا یا پھر اُس کے سامعین کی اُس تک رسائی محدود کر دی گئی۔

حکومت نے سیاسی جماعتوں کے اراکین اور حامیوں کے خلاف کاروائیاں کیں۔ ریاست کے سابق سربراہوں اور کابینہ کے اراکین سمیت حزب اختلاف کے کئی اراکین کو بدعنوانی کے الزامات میں گرفتار کیا گیا۔ پشتون تحفظ موومنٹ (پی ٹی ایم) کے اراکین نے احتجاجی مظاہرے کیے جن میں ماورائے عدالت قتل اور جبری گمشدگیوں کے واقعات میں ملوث افراد کی جوابدہی کا مطالبہ کیا گیا۔

09 جولائی کو، پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (پیمرا) نے حزب اختلاف کے رہنماؤں کی تقریریں نشر کرنے پر تین ٹیلی ویژن چینلوں: کیپیٹل ٹی وی، 24 نیوز ایچ ڈی، اور اَب تک نیوز نیٹ ورک کی نشریات بند کیں۔ پاکستان براڈ کاسٹرز ایسوسی ایشن، ایک نجی ایسوسی ایشن کا دعویٰ تھا کہ انہیں کوئی وجہ بتائے بغیر یا سننے کا موقع دیے بغیر چینلوں کی نشریات بند کی گئیں۔ یکم جولائی کو جیو ٹی وی پر سابق صدر آصف علی زرداری کا انٹرویو براہ راست شروع ہی ہوا تھا کہ پیمرا نے اس کی نشریات روک دیں۔

وفاقی تحقیقاتی ایجنسی (ایف آئی اے) نے 09 فروری کو لاہور میں ایک صحافی اور ٹیلی ویژن کے میزبان رضوان الرحمان راضی کو گرفتار کیا۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے پاکستان کے سائبر کرائم قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سوشل میڈیا پر کچھ مواد اَپ لوڈ کیا تھا جن میں "اداروں کی تضحیک" کی گئی۔ راضی کو بعد میں رہا کر دیا گیا۔ مئی میں، ایک صحافی گوہر وزیر کو اقلیتی پشتونوں کے احتجاجی مظاہروں کی رپورٹنگ کرنے پر گرفتار کر لیا گیا۔

ہیومن رائٹس واچ کو کئی ایسی مُستند اطلاعات ملی ہیں کہ سرکاری اہلکاروں نے کئی اداروں اور اُن کے عملے کو دھمکایا، ہراساں کیا اور اُن کی کڑی نگرانی کی۔ سرکار نے پاکستان میں عالمی انسانیت دوست اداروں اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے اندراج اور کام میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے پاکستان میں آئی این جی اوز ضابطہ استعمال کیا۔

مئی میں، اسلام آباد میں ایک 10 سالہ لڑکی کے ریپ اور قتل کے خلاف احتجاجی مظاہروں کے بعد، عورتوں کے حقوق کی کارکن اور پشتون رہنماء گلالئی اسماعیل کے خلاف تشدد کی ترغیب دینے اور ریاستی اداروں کی تضحیک کے الزام میں فوجداری مقدمہ درج کیا گیا۔ کئی ماہ روپوش ہونے کے بعد اسماعیل امریکہ منتقل ہوگئیں جہاں انہوں نے پناہ کی درخواست دی۔

مذہب اور عقیدے کی آزادی

پاکستانی حکومت مذہب کی تضحیک کے قانون میں ترمیم یا تنسیخ کرنے میں ناکام رہی۔ یہ قانون مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد، نیز من مانی گرفتاریوں اور مقدمہ سازی کا بہانہ فراہم کرتا ہے۔سینکڑوں افراد کو مذہب کی تضحیک کے الزام میں گرفتار کیا جا چکا ہے جن میں سے اکثریت مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی ہے۔توہین رسالت کے لیے سزائے موت لازمی سزا ہے، اور اس رپورٹ کے تحریر ہونے تک 40 لوگ اس جرم میں سزائے موت کی کوٹھڑی میں بند تھے۔

اپریل میں، مقامی تاجروں اور مذہبی رہنماؤں نے ٹیکسلا میں ایک درزی پر توہین مذہب کا الزام لگایا جس پر اسے گرفتار کرلیا گیا۔مئی میں، میر پور خاص، سندھ میں فسادات پھوٹ پڑے۔ جانوروں کی بیماریوں کے معالج ایک ہندو شخص پر الزام عائد کیا گیا کہ اُنہوں نے ایک ایسے کاغذ پر ادویات لپیٹ کر دیں جس پر اسلامی آیات تحریر تھیں۔

مذہبی اقلیت، احمدیوں کے ساتھ امتیاز کو دوام بخشنے والی مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعات بدستور اُسی حالت میں ہیں۔ اگست میں لاہور کی ضلعی انتظامیہ نے ایک احمدی عبادت گاہ کو تالہ لگایا کیونکہ مقامی مذہبی پیشواؤں نے احمدیوں کو کھلے عام عبادت کرنے کی اجازت دینے پر اعتراض کیا تھا۔

عورتوں اور بچوں کے حقوق

اگرچہ عورتوں اور لڑکیوں پر تشدد کے مختلف واقعات نے اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ متاثرین کو انصاف کے حصول میں رکاوٹیں درپیش ہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ حکام چند بنیادی اصلاحات لانے میں کامیاب رہے ہیں۔

اگست میں، 'عزت' کے نام پر قتل کے خلاف مقدمہ جوئی کے لیے قانون کے نفاذ کی اہم کاوش میں جولائی 2016 میں پاکستان سوشل میڈیا کی نامور شخصیت قندیل بلوچ کے اپنے بھائیوں کے ہاتھوں قتل کے مقدمے میں اُس کے والدین کی مجرموں کو "معافی" کی درخواست رد کی گئی۔

قندیل کے قتل کے بعد، پارلیمان نے ایک قانون منظور کیا تھا جس کے ذریعے خاندان کی طرف سے مجرموں کو معافی جیسے قانونی نقص کو دور کیا گیا۔تاہم، عزت کے نام پر قتل کے بہت کم واقعات پر مجرموں کے خلاف قانونی کاروائی ہوئی ہے۔

جولائی میں، عدالت عظمیٰ نے قرار دیا کہ تیزاب کے حملوں کے واقعات میں، متاثرہ فرد کی طرف سے دائر ہونے والی رحم کی درخواست جس میں مجرم کو معاف کیا گیا ہو، کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ یہ "سنگین ظلم" کے مترادف ہے۔

صوبائی کابینہ سندھ نے اگست میں ایک نیا قانون منظور کیا جس کے باعث زرعی مزدور عورتوں کو تحریری معاہدے، کم ازکم معاوضے، بہبود کے فوائد، اور معاوضے میں صنفی مساوات کا حق ملا ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ زرعی مزدور عورتوں کا یونین سازی کا حق تسلیم کیا گیا۔

اگست میں، قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے قانون و انصاف نے ایک مسودہ قانون مسترد کیا جس میں لڑکیوں کی شادی کی کم ازکم عمر 18 برس تجویز کی گئی تھی۔اوائل عمری میں شادی ایک سنگین مسئلہ ہے۔ یونیسف کے بقول، پاکستان میں 21 فیصد لڑکیوں کی 18 برس سے پہلے شادی کر دی جاتی ہے۔کئی عورتوں اور لڑکیوں کو چین اسمگل کیا گیا جہاں انہیں بطور "دُلہن" فروخت کیا گیا۔

پرائمری تعلیم کی عمر کے 50 لاکھ بچے اسکول سے باہر ہیں جن میں سے زیادہ تر لڑکیاں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اُن کے علاقوں میں اسکول نہیں، کمسنی کی شادیاں ہوتی ہیں اور صنف کی بنیاد پر امتیاز ہوتا ہے۔

بچوں کے ساتھ جنسی بدسلوکی جاری رہی۔ ساحل نامی تنظیم کے مطابق، پاکستان بھر سے بچوں سے زیادتی کے ہر روز 10 واقعات سامنے آتے ہیں۔

دہشت گردی، دہشت گردی کا مقابلہ اور قانون نافذ کرنے والوں کی زیادتیاں

تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی)، القاعدہ اور اُن کے اتحادیوں نے سیکیورٹی فورسز پر خودکش حملوں اور بلاامتیاز حملے جاری رکھے جو سینکڑوں شہریوں کو ہلاک اور زخمی کرنے کا سبب بنے۔ اُنہوں نے شہریوں پر بھی غیر قانونی حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

12 اپریل کو کوئٹہ، بلوچستان کے ایک بازار میں ہزارہ برادری پر ایک بم حملے میں 20 افراد ہلاک اور 48 زخمی ہوئے۔ 21 جولائی کو خیبر پختونخوا کے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں دو حملوں کے نتیجے میں چھ پولیس اہلکاروں سمیت نو لوگ مارے گئے۔ ٹی ٹی پی نے تمام حملوں کی ذمہ داری قبول کی تھی۔

18 اپریل کو مکران کوسٹل ہائی وے پر نامعلوم حملہ آوروں نے 15 مسافروں کو ایک مسافر بس سے نیچے اتارا اور پھر اُنہیں قتل کر دیا۔ 12 مئی کو گوادر، بلوچستان میں ایک ہوٹل پر جنگجوؤں کے حملے میں پانچ لوگ مارے گئے۔ بلوچستان لبریشن آرمی (بی ایل اے) نے حملے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔

پاکستان کی قانون کے نفاذ کی ایجنسیاں بغیر الزام کے حراست اور ماورائے عدالت قتل سمیت انسانی حقوق کی پامالیوں کی ذمہ دار ہیں۔ پاکستان ایذا رسانی کو جرم قرار دینے کے لیے قانون بنانے میں ناکام ہے حالانکہ ایذا رسانی کے خلاف میثاق کے تحت پاکستان پر ایسا کرنا فرض ہے۔

19 جنوری کو پنجاب کے ضلع ساہیوال میں پولیس نے ایک کاروائی میں جس کا ہدف بقول پولیس کے ایک شدت پسند رہنما تھا، ایک کمسن بچی سمیت ایک ہی خاندان کے چار افراد کو مار دیا۔ تاہم، گواہوں کے بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ پولیس نے متاثرہ خاندان کی گاڑی پر اندھا دھند فائرنگ کی تھی۔ ذمہ دار پولیس اہلکاروں کو گرفتار کیا گیا اور وہ قتل کے الزامات کا سامنا کر رہے ہیں۔

پاکستان کی قانون کے نفاذ کی ایجنسیاں بغیر الزام کے حراست اور ماورائے عدالت قتل سمیت انسانی حقوق کی پامالیوں کی ذمہ دار ہیں۔ پاکستان ایذا رسانی کو جرم قرار دینے کے لیے قانون بنانے میں ناکام ہے حالانکہ ایذا رسانی کے خلاف میثاق کے تحت پاکستان پر ایسا کرنا فرض ہے۔19 جنوری کو پنجاب کے ضلع ساہیوال میں پولیس نے ایک کاروائی میں جس کا ہدف بقول پولیس کے ایک شدت پسند رہنما تھا، ایک کمسن بچی سمیت ایک ہی خاندان کے چار افراد کو مار دیا۔تاہم، گواہوں کے بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ پولیس نے متاثرہ خاندان کی گاڑی پر اندھا دھند فائرنگ کی تھی۔ذمہ دار پولیس اہلکاروں کو گرفتار کیا گیا اور وہ قتل کے الزامات کا سامنا کر رہے ہیں۔

اپریل میں، مقامی تاجروں اور مذہبی رہنماؤں نے ٹیکسلا میں ایک درزی پر توہین مذہب کا الزام لگایا جس پر اسے گرفتار کرلیا گیا۔مئی میں، میر پور خاص، سندھ میں فسادات پھوٹ پڑے۔ جانوروں کی بیماریوں کے معالج ایک ہندو شخص پر الزام عائد کیا گیا کہ اُنہوں نے ایک ایسے کاغذ پر ادویات لپیٹ کر دیں جس پر اسلامی آیات تحریر تھیں۔

یکم ستمبر کو پنجاب کے ضلع رحیم یار خان میں صلاح الدین کو ایک اے ٹی ایم مشین سے پیسے چرانے پر گرفتار کیا گیا اور جلد ہی وہ پولیس کی تحویل میں ہلاک ہو گیا۔ اُن کے خاندان کا دعویٰ تھا کہ ایوبی جو کہ ایک ذہنی مریض تھے، پولیس کے تشدد سے ہلاک ہوئے تھے۔ بعد میں ہونے والی فورینسک رپورٹ نے تشدد کے دعووں کی تصدیق کی تھی۔

اگست میں، پنجاب کے محکمہ انسداد بدعنوانی نے لاہور میں پولیس افسران پر مشتبہ ملزموں کو ایک خفیہ حراستی مرکز میں رکھ کر تشدد کرنے کا الزام عائد کیا۔ پنجاب پولیس نے ان الزامات کی تحقیقات کرنے کا حکم دیا تھا۔

مئی میں، شمالی وزیرستان میں پشتون کارکنوں اور فوج کے درمیان تصادم میں تین افراد مارے گئے اور کئی زخمی ہوئے۔ دونوں فریق ایک فوجی چوکی پر، جھگڑا شروع کرنے کا الزام ایک دوسرے پر لگاتے رہے۔

سزائے موت

پاکستان میں 4,600 سے زائد افراد سزائے موت کے قیدی ہیں۔ پاکستان ان ممالک میں شامل ہے جو سزائے موت کے بہت زیادہ قیدی رکھنے کے حوالے سے سرفہرست ہیں۔ دسمبر 2014 میں پاکستان میں پھانسی پر پابندی ہٹنے کے بعد سے 511 لوگوں کو پھانسی دی جا چکی ہے۔ سزائے موت کے قیدیوں میں سے بیشتر سماج کے پسے ہوئے طبقوں سے ہیں۔

جون 2019 میں، پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے غلام عباس کی پھانسی روکی۔ غلام عباس نفسیاتی- سماجی معذوری کا شکار ہے اور 13 برس سے زائد عرصہ سے موت کی سزا کے قیدی کی حیثیت سے پابند سلاسل ہے۔

جنسی رجحان اور صنفی شناخت

مقامی تنظیموں کے مطابق، خیبر پختونخوا میں 2015 سے لے کر اب تک کم از کم 65 خواجہ سراء عورتیں قتل ہو چکی ہیں۔ جنوری میں کرک، خیبر پختونخوا میں ایک خواجہ سراء عورت کو اُس وقت قتل کر دیا گیا جب وہ ایک موسیقی کی تقریب سے واپس آ رہی تھی۔ جولائی میں پنجاب کے ضلع ساہیوال میں پولیس کو دو خواجہ سراء عورتوں کی لاشیں ملیں جنہیں تشدد کر کے مارا گیا تھا۔ اگست میں خیبر پختونخوا کے ضلع مانسہرہ میں ایک خواجہ سراء عورت ہنی کو مار دیا گیا۔ انسانی حقوق کے کارکنوں کا کہنا ہے کہ حکام نے مجرموں کے خلاف کارروائی نہیں کی۔

پاکستان نے 2018 میں خواجہ سراؤں کے حقوق کا ایک بڑا اچھا قانون منظور کیا تھا۔ تاہم، پاکستان کا فوجداری قانون ایک ہی صنف کے لوگوں کے مابین جنسی سرگرمی کو جرم قرار دیتا ہے جس سے مردوں اور خواجہ سراء عورتوں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے والے مرد پولیس کی زیادتی، اور دیگر قسم کے تشدد اور امتیاز کا نشانہ بن سکتے ہیں۔

مقامی تنظیموں کے مطابق، خیبر پختونخوا میں 2015 سے لے کر اب تک کم از کم 65 خواجہ سراء عورتیں قتل ہو چکی ہیں۔ جنوری میں کرک، خیبر پختونخوا میں ایک خواجہ سراء عورت کو اُس وقت قتل کر دیا گیا جب وہ ایک موسیقی کی تقریب سے واپس آ رہی تھی۔ جولائی میں پنجاب کے ضلع ساہیوال میں پولیس کو دو خواجہ سراء عورتوں کی لاشیں ملیں جنہیں تشدد کر کے مارا گیا تھا۔ اگست میں خیبر پختونخوا کے ضلع مانسہرہ میں ایک خواجہ سراء عورت ہنی کو مار دیا گیا۔ انسانی حقوق کے کارکنوں کا کہنا ہے کہ حکام نے مجرموں کے خلاف کارروائی نہیں کی۔ پاکستان نے 2018 میں خواجہ سراؤں کے حقوق کا ایک بڑا اچھا قانون منظور کیا تھا۔ تاہم، پاکستان کا فوجداری قانون ایک ہی صنف کے لوگوں کے مابین جنسی سرگرمی کو جرم قرار دیتا ہے جس سے مردوں اور خواجہ سراء عورتوں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے والے مرد پولیس کی زیادتی، اور دیگر قسم کے تشدد اور امتیاز کا نشانہ بن سکتے ہیں۔

ہیلتھ ورکرز پر حملے

ٹی ٹی پی اور دیگر شدت پسند گروہوں نے سماج کی نچلی سطحوں پر صحت کی سہولیات اور پولیو ویکسین دینے والے ہیلتھ ورکرز پر حملے کیے۔

اپریل میں حملوں کی ایک لہر نے حکومت کو ملک بھر میں پولیو کی ویکسین کی مہم عارضی طور پر معطل کرنے پر مجبور کیا۔ 23 اپریل اور 24 اپریل کو خیبر پختونخوا میں پولیو ورکرز کی حفاظت پر مامور پولیس اہلکاروں کو گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا۔ 30 اپریل کو چمن، بلوچستان میں دو نامعلوم حملہ آوروں نے ایک خاتون پولیو ورکر کو قتل کیا۔ حکومت نے شعوری مہم چلائی اور ویکسین مخالف مواد ہٹانے کے لیے سوشل میڈیا کے پلیٹ فارموں سے رجوع کیا۔ جس کے بعد ویکسین کی مہم دوبارہ شروع ہوئی۔

اہم عالمی کردار

وزیر اعظم خان نے جولائی میں ملک کے سب سے بڑے ترقیاتی اور عسکری معاون امریکہ کا دورہ کیا اور عہد کیا کہ وہ افغان امن عمل کی مدد کریں گے۔

پاکستان اور چین کے 2019 میں وسیع تر معاشی و سیاسی تعلقات مضبوط ہوئے، اور شاہراہوں، ریلویز، اور توانائی کی پائپ لائنوں کے منصوبے چین- پاکستان معاشی راہداری پر کام جاری رہا۔ جولائی میں، پاکستان نے درجن بھر سے زائد مسلم ممالک کے ہمراہ سنکیانگ میں چین کی پالیسیوں کی حمایت میں ایک دستاویز پر دستخط کیے جس میں علاقے کے مسلمانوں پر ہونے والے وسیع تر جبر کو نظر انداز کیا گیا تھا۔

مئی میں، پاکستان اور عالمی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) پاکستان کے لیے چھ ارب امریکی ڈالر کے قرضے پر متفق ہوئے۔

جون میں، یورپی یونین اور پاکستان نے اپنے 2019 اسٹریٹیجک شراکت منصوبے کا اعلان کیا جس میں انسانی حقوق پر تعاون بھی شامل ہے۔ جنوری میں، یورپی یونین کی اعلیٰ نمائندہ فریدریکا موگیرینی نے آسیہ بی بی کی رہائی کا خیر مقدم کرتے ہوئے پاکستانی حکام سے اُن کی اور اُن کے خاندان کی سلامتی یقینی بنانے کا مطالبہ کیا۔

پاکستان اور ہندوستان کے مابین تاریخی لحاظ سے خراب تعلقات جموں و کشمیر کے علاقے پلوامہ میں فروری میں سکیورٹی فورسز کی گاڑیوں کے ایک قافلے پر خودکش بم دھماکے کے بعد مزید بگڑ گئے۔ ایک اسلامی جنگجو تنظیم جیش محمد جس کی بنیادی طور پر جڑیں پاکستان سے ملتی ہیں، نے حملے کی ذمہ داری قبول کی۔

ستمبر میں ریاست جموں و کشمیر کی آئینی خودمختاری کے خاتمے کے ہندوستانی فیصلے، اور کشمیری رہنماؤں کی گرفتاری اور فون و انٹرنیٹ سروس بند ہونے کے بعد، پاکستان نے ہندوستان کے ساتھ اپنے سفارتی تعلقات محدود کر دیے، ہندوستانی ہائی کمشنر کو ملک سے نکال دیا اور اور سکیورٹی کونسل میں معاملے کو زیر بحث لا کر معاملے میں عالمی برادری کی مداخلت کا مطالبہ کیا۔ سلامتی کونسل نے پاکستان کی درخواست اور چین کی حمایت پر معاملے پر بحث کے لیے ایک بند کمرہ اجلاس منعقد کیا۔ پاکستان نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے اقوام متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق کی قرارداد منظور کروانے کی کوشش بھی کی۔ مگر ایسا کروانے میں ناکامی پر پاکستان نے چین اور اسلامی تعاون تنظیم کے کئی ملکوں کی مدد سے ایک مشترکہ بیان جاری کیا۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ہیومن رائٹس واچ)

بلوچستان میں جبری گمشدگیاں: ’واپس آنے والے اسی حکومت میں لاپتہ ہوئے تھے‘

بلوچستان کے علاقے نوشکی کے نوجوان مزار خان ساسولی کی گذشتہ برس دس سال بعد رہائی عمل میں آئی ہے۔ وہ جولائی 2009 میں جبری طور پر گمشدہ قرار پائے تھے اور اب رہائی کے بعد انھوں نے خاموشی اختیار کرلی ہے۔موجودہ حکومت میں جن لاپتہ افراد نے رہائی پائی ہے ان میں وہ سب سے زیادہ عرصہ تک لاپتہ رہ چکے ہیں۔

لاپتہ افراد کی واپسی سیاسی ضرورت

بلوچستان میں لاپتہ افراد کی بازیابی کے لیے سرگرم تنظیم وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس دستیاب فہرست کے مطابق ابھی تک صرف 275 کے قریب افراد واپس آئے ہیں۔

بلوچستان نیشنل پارٹی کے سربراہ سردار اختر مینگل نے قومی اسمبلی میں اپنے پہلے خطاب میں 5128 لاپتہ افراد کی فہرست پیش کی تھی اور عمران خان کی حکومت کی مشروط حمایت کے لیے پیش کیے چھ نکات میں سے ایک نکتہ لاپتہ افراد کی واپسی بھی تھی۔

موجودہ حکومت میں گمشدہ افراد کی واپسی کا آغاز ہوا تاہم یہ عمل بھی سیاسی ضروریات کے تحت نظر آتا ہے۔

سردار اختر مینگل نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ اس وقت تک 500 افراد گھروں کو واپس آ چکے ہیں لیکن انہوں نے جو فہرست پیش کی تھی اس میں سے صرف اکا دکا ہی واپس آئے ہیں۔

وہ کہتے ہیں ’اس ملک کی یہ ہی روایت ہے کہ جب کوئی کام یاد آتا ہے تو پھر ضرورت پڑتی ہے، رواں مالی سال کے بجٹ سیشن کے وقت 450 افراد واپس آئے اس کے بعد 52 افراد رہا ہوئے ہیں۔‘

بازیاب افراد کی اکثریت اسی حکومت میں لاپتہ ہوئی

وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کے پاس دستیاب بازیاب ہونے والے 275 افراد کی فہرست کے جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی اکثریت یعنی 101 افراد موجودہ حکومت کے دور یعنی 2018 اور 2019 کے نصف میں ہی لاپتہ ہوئے اور چند ماہ کے بعد انھیں رہائی حاصل ہوئی۔ تاہم

طویل عرصے سے لاپتہ افراد میں سے ابھی اکثریت کی بازیابی نہیں ہوئی ہے۔

اصغر بلوچ کا شمار بھی ان لاپتہ افراد میں ہوتا ہے جنھیں پہلے مرحلے میں یعنی سنہ 2000 میں مبینہ طور پر جبراً لاپتہ کیا

> **کمیشن کے اعداد و شمار کے مطابق دسمبر 2019 تک 6500 سے زائد افراد کی گمشدگی کی شکایات آئیں جن میں سے 4365 نمٹائی گئیں، 872 کو فہرست سے نکال دیا گیا، 3500 کے قریب کا سراغ لگایا گیا، 501 جیلوں اور 810 حراستی کیمپوں میں زیرِ حراست ہیں۔ جبری گمشدگی کے بارے میں کمیشن کا دعویٰ ہے کہ لاپتہ افراد میں سے 205 افراد کی لاشیں ملیں ہیں جبکہ انسانی حقوق کی تنظیمیں اس کی تعداد کئی گنا زیادہ بتاتی ہیں۔ ایچ آر ایس پی کی 2017 کی رپورٹ کے مطابق ایک سال میں 90 مسخ شدہ لاشیں ملیں۔**

گیا۔ ان کے بھتیجے نصراللہ بلوچ نے چچا کی گمشدگی کے خلاف احتجاج کیا۔ دیگر متاثرین کے ساتھ مل کر وائس فار مسنگ پرسنز کا قیام عمل میں لائے، سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی سربراہی میں سپریم کورٹ میں پیش ہوئے لیکن ان کے چچا واپس نہیں آئے اور موجودہ حکومت میں جب لاپتہ افراد کی واپسی کا آغاز ہوا تو ان میں بھی ان کے چچا شامل نہیں۔

انسانی حقوق کمیشن بلوچستان کے کوآرڈینیٹر فرید شاہوانی کا کہنا ہے کہ لاپتہ افراد کی واپسی مثبت پیش رفت ہے لیکن اس میں کبھی تیزی آجاتی ہے اور کبھی سست رفتاری رہتی ہے صرف رواں سال میں 53 افراد بازیاب ہو چکے ہیں تاہم جو لوگ واپس آرہے ہیں ان کی اکثریت وہی ہے جو 2018 اور 2019 کو اٹھائے گئے تھے۔

لواحقین کمیشن سے ناخوش

پاکستان میں جبری گمشدگیوں کا آغاز 2000 سے ہوا تقریباً 10 سال کے بعد 2011 میں جبری گمشدگیوں کا پتہ لگانے کے لیے کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا، کمیشن چاروں صوبوں کے کئی شہروں میں درخواستوں کی سماعت کر چکا ہے اور اس کی ویب سائٹ پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ 1977 جبری لاپتہ افراد گھروں کو لوٹ چکے ہیں۔

کمیشن کے اعداد و شمار کے مطابق دسمبر 2019 تک 6500 سے زائد افراد کی گمشدگی کی شکایات آئیں جن میں سے 4365 نمٹائی گئیں، 872 کو فہرست سے نکال دیا گیا، 3500 کے قریب کا سراغ لگایا گیا، 501 جیلوں اور 810 حراستی کیمپوں میں زیرِ حراست ہیں۔

جبری گمشدگی کے بارے میں کمیشن کا دعویٰ ہے کہ لاپتہ افراد میں سے 205 افراد کی لاشیں ملیں ہیں جبکہ انسانی حقوق کی تنظیمیں اس کی تعداد کئی گنا زیادہ بتاتی ہیں۔ ایچ آر ایس پی کی 2017 کی رپورٹ کے مطابق ایک سال میں 90 مسخ شدہ لاشیں ملیں۔

وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کا کہنا ہے کہ بلوچستان کی موجودہ حکومت نے مذاکرات کے دوران انھیں پیشکش کی تھی کہ ان کی پیش کردہ فہرست پر کمیٹی بناتے ہیں یا کمیشن کے حوالے کرتے ہیں لیکن لاپتہ افراد کے لواحقین نے اس کی مخالفت کی کیونکہ کمیشن کی کارکردگی سب کے سامنے ہے۔ یہ کوئی مثبت پیش رفت نہیں کر سکا ہے۔

بلوچستان حکومت بھی کوشاں

بلوچستان نیشنل پارٹی کے سربراہ اختر مینگل نے جب قومی اسمبلی میں گمشدگیوں کے مسئلے کو اٹھایا تو ان کے اس اقدام میں صوبے میں سیاسی سطح پر سراہا گیا نتیجے میں ان کے سیاسی مخالف جام کمال پر بھی سیاسی دباؤ آ گیا۔

> ملک میں پاکستان تحریک انصاف کی دورِ اقتدار کے 17 ماہ میں 1216 افراد کی جبری گمشدگی کے واقعات پیش آئے ہیں، جبری گمشدگی کے بارے میں کمیشن کے اعداد و شمار کے مطابق 2018 کے دوران اگست سے لیکر دسمبر تک 416 جبکہ 2019 میں مزید 800 افراد کی جبری گمشدگی کی شکایت درج کی گئیں ہیں۔

نصراللہ بلوچ کے مطابق جام کمال نے انھیں بتایا کہ وہ ان کی فراہم کی گئی فہرست وزیراعظم اور آرمی چیف سمیت دیگر اداروں کے سربراہان کے پاس لے جائیں گے بعد میں ان سے ملاقات سے واپسی پر ایک طویل نشست ہوئی تھی۔

وہ کہتے ہیں ’جام کمال نے آگاہ کیا کہ آرمی چیف نے کہا ہے کہ تصدیق شدہ فہرست حاصل کریں اس پر عملدرآمد ہوگا، ہم نے انھیں 450 افراد کی فہرست پیش کی جس میں سے نصف کے قریب لوگ بازیاب ہو چکے ہیں۔ اس سے قبل ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ اور اسلم رئیسانی سے بات ہوتی تھی تو ان کا یہی جواب ہوتا تھا کہ یہ ہمارے بس میں نہیں ہے۔‘

بلوچستان میں ملکی اور غیر ملکی ایجنسیاں سرگرم

بلوچستان حکومت اور وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کے درمیان ملاقات میں صوبائی وزیر داخلہ ضیا لانگو بھی موجود تھے، بی بی سی سے بات کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ ابتدائی طور پر تنظیم نے 290 افراد کی فہرست پیش کی تھی جب اس میں پیش رفت ہوئی تو لوگوں کا اعتماد بڑھ گیا اور اس فہرست میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ تعداد 350 تک پہنچ گئی جن میں

بدین میں انسانی حقوق کے کارکن احتجاجی مظاہرہ کر رہے ہیں

سے 300 کے قریب لوگ واپس آ چکے ہیں اور حکومت کی کوشش ہے کہ باقی لوگ بھی واپس آ جائیں۔

وہ کہتے ہیں ’بلوچستان میں گریٹ گیم جاری تھا۔ تین ممالک کی ایجنسیاں سرگرم ہیں اور ہماری ایجنسیاں بھی کام کر رہی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کہاں گئے کسی بیرونی ایجنسی کے پیرول پر چل گئے، دہشت گرد تنظیموں کے ہاتھ چڑھ گئے اگر وہ ہمارے ملک کی ایجنسیوں کے کسی تفتیشی عمل سے گذر رہے ہیں تو وہ بازیاب ہوتے چلے گئے باقی بھی ہوں گے۔

تحریک انصاف حکومت میں 1216 افراد کی جبری گمشدگی

ملک میں پاکستان تحریک انصاف کی دورِ اقتدار کے 17 ماہ میں 1216 افراد کی جبری گمشدگی کے واقعات پیش آئے ہیں، جبری گمشدگی کے بارے میں کمیشن کے اعداد و شمار کے مطابق 2018 کے دوران اگست سے لیکر دسمبر تک 416 جبکہ 2019 میں مزید 800 افراد کی جبری گمشدگی کی شکایت درج کی گئیں ہیں۔

انسانی حقوق کمیشن بلوچستان کے کوآرڈینیٹر فرید شاہوانی کا کہنا ہے کہ جبری گمشدگیوں کا سلسلہ رکا نہیں ہے بلکہ جاری ہے لیکن اب یہ واقعات رپورٹ کم ہو رہے ہیں لواحقین سوچتے ہیں کہ ہوسکتا ہے واپس آ جائیں کیونکہ اب دو تین ماہ کے بعد کئی لوگ واپس آ جاتے ہیں۔

فرید کہتے ہیں ’جو واپس آ رہے ہیں بات کرنے کو تیار نہیں ہیں وہ کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں، پنجگور اور تربت میں بعض ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ جو لوگ اٹھائے گئے تھے وہ رہا ہوئے اور بعد میں دوبارہ اٹھا لیے گئے۔

پاکستان کی وزارت انسانی حقوق کی سربراہ شیریں مزاری کہہ چکی ہیں کہ جبری طور پر لاپتہ افراد کی ایف آئی آر درج کی جائے گی، حکومت قانون سازی بھی کر رہی ہے، تاہم بی این پی کے سربراہ سردار اختر مینگل کا کہنا ہے کہ ابھی تک ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے جس کی جبری گمشدگی کی ایف آئی آر درج کی گئی ہو۔

وہ پہاڑوں پر چلے گئے ہیں، لاپتہ نہیں

وفاقی وزیر داخلہ اعجاز شاہ کا دعویٰ ہے کہ موجودہ وقت مسنگ پرسنز کا کوئی مسئلہ نہیں ہے آج سے دس پندرہ سال قبل لوگ افغانستان اور کشمیر جہاد کے لیے چلے جاتے تھے لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ بلوچستان میں ایک روایت ہے کہ جب وہ لڑائی کرتے ہیں تو پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں وہ لاپتہ افراد نہیں ہیں۔

اعجاز شاہ کہتے ہیں ’جو اعداد و شمار ہیں ان میں بھی بڑا ابہام ہے۔ کتنے لوگ جبری طور پر گمشدہ ہیں، میرے پاس بھی ان کی صحیح تعداد نہیں۔ ایجنسیوں کے پاس کچھ اور تعداد ہے، پولیس، سویلین انتظامیہ اور سیاسی قیادت کے پاس الگ الگ تعداد ہے، کوئی شکایت ہے تو ہم اس کو سن رہے ہیں لیکن یہ اب کوئی ایشو نہیں ہے۔ جو پرانے کیسز ہیں ان کو حل کرنے کے لیے تمام کوششیں کر رہے ہیں کچھ لوگوں کا سندھ میں پتہ لگا یا گیا اور کچھ کا بلوچستان میں وہ اب جا چکے ہیں۔‘

انسانی حقوق کمیشن نے گذشتہ سال اکتوبر میں بلوچستان پر اپنے جائزہ رپورٹ میں ڈیرہ بگٹی اور آواران سے خواتین اور بچوں کی گمشدگی کا بھی ذکر کیا ہے، اس رپورٹ میں سفارش کی گئی تھی کہ وفاقی اور صوبائی حکومتیں تمام لاپتہ افراد کی بازیابی کو یقینی بنائیں، جبری گمشدگی کو جرم قرار دینے کے لیے قانون سازی کی جائے اور اس میں ملوث افراد کو سزا دی جائے۔

پاکستان میں اظہار رائے پر سختیوں میں اضافہ ہوا ہے

نیویارک ہیومن رائٹس واچ نے اپنی عالمی رپورٹ 2020 میں کہا ہے کہ پاکستان کی حکومت نے 2019 کے دوران ذرائع ابلاغ، حزب اختلاف، اور غیرسرکاری تنظیموں کے خلاف کاروائیاں تیز کی ہیں۔

پاکستان میں ذرائع ابلاغ پر حکام کے دباؤ میں اضافہ ہوا ہے جن کا خیال تھا کہ ذرائع ابلاغ حکومت پر تنقید کر رہے ہیں۔ بعض واقعات میں، انضباطی ایجنسیوں نے ناقدانہ پروگرام نشر کرنے والے چینلوں کی نشریات بند کرنے کی ہدایت کی۔ ایک نجی ٹیلی ویژن چینل جیو کو حکومت پر ناقدانہ تبصروں کی پاداش میں نشریات بند کرنے پر مجبور کیا گیا یا اُس تک اُس کے سامعین کی رسائی محدود کی گئی۔ 09 جولائی کو، پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (پیمرا) نے حزب اختلاف کے رہنماؤں کی تقریریں نشر کرنے پر تین ٹیلی ویژن چینلوں: کیپیٹل ٹی وی، 24 نیوز ایچ ڈی، اور اَب تک نیوز نیٹ ورک کی نشریات بند کردیں۔ یکم جولائی کو جیو ٹی وی پر سابق صدر آصف علی زرداری کا انٹرویو براہ راست شروع ہی ہوا تھا کہ پیمرا نے اُس کی نشریات روک دیں۔ ہیومن رائٹس واچ کے ایشیا ڈائریکٹر براڈ ایڈمز نے کہا کہ " پاکستانی حکومت جمہوری حکومت پر عائد بنیادی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری آزادانہ اظہار اور ناقد آوازوں کے لیے سازگار ماحول کی فراہمی میں ناکام ہے۔" وزیراعظم عمران خان کی حکومت کو انسانی حقوق کے دیرینہ مسائل سے نبٹنا چاہیے نا کہ وہ اُن پر توجہ دلانے والے لوگوں کی زبان بندی کرے۔"ہیومن رائٹس واچ نے 652 صفحات پر مبنی عالمی رپورٹ 2020 جو ایچ ارڈ بلیو کی سالانہ عالمی رپورٹ کا تیسواں شمارہ ہے، میں لگ بھگ 100 مما لک میں انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ لیا ہے۔ اپنے تعارفی مضمون میں، ایگزیکٹو ڈائریکٹر کینیتھ روتھ نے کہا ہے کہ چینی حکومت جو اقتدار میں رہنے کے لیے جبر کے ذرائع پر انحصار کرتے ہے، کئی عشروں سے انسانی حقوق کے عالمی نظام پر انتہائی سخت ضَربیں لگا رہی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ بیجنگ کے اقدامات دنیا بھر میں عوامیت پسند جابر حکمرانوں کی حوصلہ افزائی بھی کر رہے ہیں اور ان سے مدد بھی لے رہے ہیں۔ ہیومن رائٹس واچ کو ایسی کئی مُستند اطلاعات ملی ہیں کہ سرکاری اہلکاروں نے کئی اداروں اور اُن کے عملے کو دھمکایا، ہراساں کیا اور اُن کی کڑی نگرانی کی۔ سرکار نے پاکستان میں عالمی انسانیت دوست اداروں اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے اندراج اور کام میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے آئی این جی اوز ضابطہ (عالمی غیرسرکاری تنظیمیں) استعمال کیا۔ حکومت نے سیاسی جماعتوں کے اراکین اور حمایتیوں کے خلاف بھی کاروائیاں کیں۔ وکلاء اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس امر پر تشویش کا اظہار کیا کہ سابق سربراہ ریاست اور وزراء سمیت حزب اختلاف کے کئی رہنماؤں کو بدعنوانی کے الزامات میں گرفتار کرنے کے بعد اُنہیں باضابطہ قانونی کاروائی اور منصفانہ سماعت کے حق سے محروم رکھا گیا۔

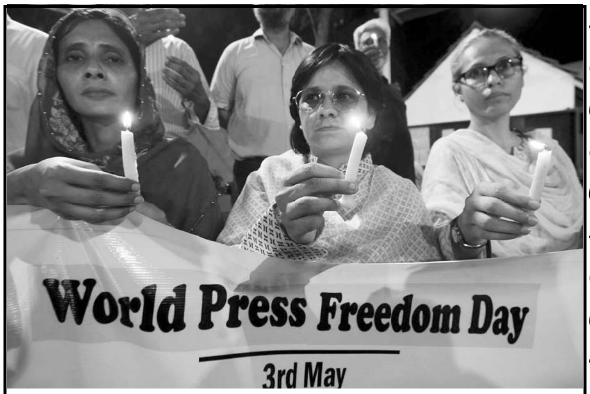

کراچی: پاکستان میں پاکستانی صحافی 03 مئی 2019 کو صحافت کے عالمی دن کے موقع پر شمعیں روشن کررہے ہیں

پاکستانی حکومت 2019 میں مذہب کی تضحیک کے قانون میں ترمیم یا تنسیخ کرنے میں ناکام رہی۔ یہ قانون مذہبی اقلیتوں پر تشدد، نیز من مانی گرفتاریوں اور مقدمہ سازی کا بہانہ فراہم کرتا ہے۔ اگرچہ عورتوں اور لڑکیوں پر تشدد کے مختلف واقعات سے اس اَمر کی نشاندہی ہوئی ہے کہ متاثرین کو انصاف کے حصول میں مشکلات کا سامنا ہے مگر یہ بات بھی درست ہے کہ حکام بعض بنیادی اصلاحات متعارف کروانے میں بھی کامیاب رہے ہیں۔ صوبائی کابینہ سندھ نے اگست میں ایک نیا قانون منظور کیا جس کے باعث زرعی مزدور عورتوں کو تحریری معاہدے، کم از کم معاوضے، بہبود کے فوائد، اور معاوضے میں صنفی مساوات کا حق ملا ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ زرعی مزدور عورتوں کا یونین سازی کا حق تسلیم کیا گیا۔ پاکستان کی قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں الزام کے بغیر حراست اور ماورائے عدالت قتل سمیت انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی ذمہ دار ہیں۔ پاکستان ایذا رسانی کو جرم قرار دینے کے لیے قانون سازی کرنے میں ناکام رہا ہے حالانکہ ایذا رسانی کے خلاف میثاق کے تحت پاکستان پر یہ فریضہ عائد ہے۔

" پاکستانی حکام کو تسلیم کرنا چاہیے کہ مختلف آراء کا ہونا کمزوری نہیں بلکہ طاقت کا مظہر ہوتا ہے"، ایڈمز نے کہا۔ "اختلاف رائے کا گلا گھونٹنے کے بجائے حکومت کو اپنی سیکیورٹی فورسز کو جوابدہ ٹھہرانے، امتیازی قوانین ختم کرنے، اور قانون کی حکمرانی کا مخلصانہ عزم ظاہر کرنے کے لیے فوری اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔"

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ہیومن رائٹس واچ)

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
  جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر یا انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

قلیل خمری کی ڈرامہ سازی اور صنفی سوال

وجاہت مسعود

قلیل خمری کو خدا غریق رحمت کرے۔ مرحوم تاریخ میں واحد ملامتی صوفی تھا جو واقعتاً قابل ملامت تھا۔ قبلہ نے جب جب دہان دریدہ کو زحمت دی، خود ساختہ عظمت، نرگسیت، کم سوادی، بداطواری اور پٹی ہوئی دانش کے ایسے پھول جھڑے کہ خلقت اس تھوتھے چنے سے برآمد ہوتی بے تال جہالت کی گھنی تاریکی میں سر پٹختی تھی۔ غریب الدہر نے چولہا جھونکنے کے لئے ڈرامہ لکھنا چاہا تھا اس کی بدقسمتی کہ اردو ڈرامے کی صنف ایسی بے مایہ نہیں تھی جیسی اس ہی چمداں نے سمجھی۔

اردو ڈرامے میں امانت لکھنوی کی تہذیب تھی۔ آغا حشر کا شکوہ تھا، امتیاز تاج کی کردار نگاری تھی۔ منٹو کا نشتر تھا، احمد شجاع کی متانت تھی۔ بیدی کی ژرف نگاہی تھی، شوکت تھانوی کی ظرافت تھی، اشفاق احمد کی ذہانت تھی، نورالہدی کا سیاسی شعور تھا، عطاالحق کی بے ساختگی تھی، صفدر میر کی تاریخ دانی اور اسلم اظہر کی ہمہ دانی تھی، اصغر ندیم کا رچاو? اور کمال رضوی کا بہاو? تھا۔ اردو تمثیل تو ضیا محی الدین، طلعت حسین اور شاہد ندیم کا قرض نہیں چکا سکتی۔

ہمارے ڈرامے نے سراج اور شائستہ سونو جیسے اساتذہ سے فیض اٹھایا۔ قلیل خمری کے فلک کو خبر نہیں تھی کہ ڈرامے نے ذہن انسانی کی تہذیب میں فلسفے، نفسیات، معیشت، تاریخ اور سیاست کے دھاروں کو کیسی کاٹ گگر بخشی ہے۔ سفوکلیز سے کالی داس، شیکسپئر سے ابسن، والٹیئر سے سارتر، اسٹرانڈ برگ سے چیخوف، اونیل سے ٹینیسی ولیمز اور بریخت سے بیکٹ تک، ڈرامائی تضاد نے مکالمے کی مدد سے تمدن کے ارتقا کی چتر کاری کی ہے۔ بھرے ہیں یہاں چار سمتوں سے دریا۔

قلیل خمری کی اردو پویا چلتی تھی۔ فکر کا سوتا پشتوں سے خشک تھا۔ شعر کا خانہ خالی تھا۔ یہ بھی اچھا ہوا، برا نہ ہوا۔ کہیں پر چند اشعار نقل کیے تھے۔ شعر فہمی عالم بالا معلوم شد۔ انگریزی سیکھنے میں محنت شاقہ کا اعتراف فرماتے تھے لیکن فرنگی زبان میں اظہار چار حرفی لفظوں تک محدود تھا۔ پیرایہ بیان سے مکتب کی کرامات صاف جھلکتی تھیں۔ مذہبی لغت کے بغیر نوالہ نہیں توڑتے تھے۔ رزق کی دوسری صورتوں میں البتہ اس پابندی کا التزام نہیں رکھتے تھے۔

مطالعے سے اس درجہ بے نیاز تھے کہ تلمیذ الرحمٰن کا درجہ خود سے فروتر پاتے تھے۔ ارشاد تھا کہ ادب براہ راست ان کے فرق عالیہ پہ اترتا ہے۔ کاسہ بالا خالی تھا چنانچہ ادب نطق اور قلم کو زحمت دیے بغیر گھٹنوں میں اتر آتا تھا جسے عرق النسا کا دل پذیر نام دے رکھا تھا، علم طب سے واسطہ نہ ہونے کے سبب غالباً مفہوم اور علت دونوں سے نابلد تھے۔ پاکستان میں فلمی دنیا کی یہی ریت رہی ہے۔ ایک محترمہ اس نوجوان سے شادی کی خواہشمند تھیں جو کشمیر فتح کرے گا۔

کشمیر تو فتح نہ ہوا، چتوڑ گڑھ کا قلعہ کوئی چار بار پامال ہوا۔ ایک حاجی صاحب اپنا موازنہ پیٹر اوٹول اور لارنس اولیویئر سے کیا کرتے تھے۔ پسماندگی کی لنکا میں سبھی باون گزے ہوتے ہیں۔ ہمارے ممدوح قلیل خمری کو بھی قبول عام

ہمارے ڈرامے نے سراج اور شائستہ سونو جیسے اساتذہ سے فیض اٹھایا۔ قلیل خمری کے فلک کو خبر نہیں تھی کہ ڈرامے نے ذہن انسانی کی تہذیب میں فلسفے، نفسیات، معیشت، تاریخ اور سیاست کے دھاروں کو کیسی کاٹ گگر بخشی ہے۔ سفوکلیز سے کالی داس، شیکسپئر سے ابسن، والٹیئر سے سارتر، اسٹرانڈ برگ سے چیخوف، اونیل سے ٹینیسی ولیمز اور بریخت سے بیکٹ تک، ڈرامائی تضاد نے مکالمے کی مدد سے تمدن کے ارتقا کی چتر کاری کی ہے۔ بھرے ہیں یہاں چار سمتوں سے دریا۔

کا ایسا ہوکا تھا کہ جب بھی نکاح (جلی و خفیف) کی منزل سے گزرے، سہ گونہ 'قبول ہے' کی بجائے ایجاب کی سرگم کو ایسا طول دیا کہ فریق ثانی کی غیرت کھول اٹھتی۔ قلیل خمری اپنے لئے غیرت کو زہر ہلال سمجھتے تھے، تاہم طبقہ اناث سے وفا کا تقاضا بلافصل فرماتے تھے۔ درباری فرمان اور غالب بیانیے کی اوٹ میں سستی شہرت کے طالب تھے۔ چنانچہ کم عقل پیادوں اور اختیار کے رسالے کی صحبت میں چنے کنکر سرعام رولتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ بے بھاؤ کی پڑتی تھیں۔ اہلیت کی پونجی اوچھی تھی چنانچہ اس پارہ لحمی کو وجہ افتخار سمجھتے تھے جو الطاف لحاف کے نتیجے میں دنیا کی نصف آبادی کو ودیعت ہوا ہے۔ فرق یہ کہ اہل فراست اثاث البیت کو ٹھکانے پر رکھتے ہیں، قلیل خمری نے اسے گلے میں حمائل کر رکھا تھا۔

طفلان گلی کوچہ اور زنان پردہ نشیں میں مقبولیت کے باوصف قلیل خمری دنیا سے بیزار تھے۔ دراصل کچھ موم بتی بردار عورتوں نے مرحوم کو دق کر رکھا تھا۔ دیگر خواتین سے وہ فون پر دشنام طرازی کر لیتے تھے۔ وہ اپنی طلاقت لسانی کا مظاہرہ دنیا کی ہر خاتون کے سامنے بلا مزاحمت کرنا چاہتے تھے۔ اسی ملال میں ایک روز ڈرامے کا مردہ خراب کرتے ہوئے دنیا سے پردہ فرما گئے۔ آنکھ کھلی تو اہل دانش کی مجلس سجی تھی۔ اقبال، فیض، پطرس، حسرت، رفیع پیر اور مظفر علی سید تشریف فرما تھے۔ ایک طرف سلمان تاثیر اور عاصمہ جہانگیر کچھ کاغذوں پر جھکے تھے۔ کسی غریب عورت کو غلطی سے جہنم بھیج دیا گیا تھا، مالک دو جہاں سے مرافعہ پر غور جاری تھا۔ قلیل خمری کو دیکھتے ہی عاصمہ جہانگیر نے شعلہ آسا لپک کر پوچھا، ہاں تو وہ ریپ کا کیا قصہ تھا؟ قلیل منمنائے، 'آپا میری بات کسی نے نہیں سمجھی، میرا مطلب تھا کہ ریپ گندہ کام ہے۔ اسی لیے عورت کبھی ایسا نہیں کرے گی'۔

عاصمہ نے فیض صاحب کی طرف پلٹ کر کہا، 'جھوٹ بولدا اے۔ تب یہ ریپ کو وجہ برتری بتا رہا تھا' سلمان تاثیر نے نپے تلے لہجے میں کہا، یہ جو تم نے کہا کہ عورتوں کی اکثریت تمہیں پسند کرتی ہے تو کیا یہ عورتیں اپنے مردوں سے بے وفائی کی مرتکب ہو رہی ہیں؟ سیگرٹ کا لمبا کش لے کر مظفر علی سید نے اخبار کا تراشہ دکھایا، 'ستمبر 2014 میں تم نے کہا کہ ہمارے معاشرے کی عورت مچیور نہیں۔ اگر مچیور ہے بھی تو اس کی دلچسپی بناوٹی چیزوں میں ہے۔' کیا اب ہماری عورتیں مچیور ہو گئی ہیں؟ منطق تم نے پڑھی نہیں، منیم گیری میں تعلیم پائی ہے۔ کیا عورتیں مچیور نہ ہونے کے باعث تمہارا سوانگ دیکھتی ہے۔ عورتیں اب مچیور ہو بھی گئی ہیں تو پھر بھی تم بناوٹی ٹھہرتے ہو'

قلیل خمری اکیلی طاہرہ عبداللہ کی سہار نہیں رکھتا، یہاں تین تین ساونتوں سے واسطہ تھا۔ فیض نے پاس بلا کر شفقت سے کہا 'دیکھو بھائی، تم نے کسی دو رکعت کے امام سے تعلیم پائی ہے۔ عورت اور مرد میں برتری کمتری کا سوال نہیں۔ رتبے، صلاحیت اور حقوق میں دونوں برابر ہیں۔ علم اور معاش میں ارتقا کے ساتھ اقدار اور رویوں میں تبدیلی لازم ٹھہرتی ہے۔ اور ہاں یہ تم نے کیا کہا کہ تمہیں سیاست میں دلچسپی نہیں۔ سیاست کے بغیر ادب لفظوں کا بے معنی کھیل ہے۔ جاؤ کچھ پڑھا لکھا کرو۔ اور دیکھو، انکسار علم کا پہلا درجہ ہے'۔

(بشکریہ ہم سب)

رحم کی اپیلیں اور ملکی و عالمی قانون

پاکستان کے فوجداری نظام انصاف میں سنگین قانونی نقائص اور تفتیش کے انتہائی ناقص نظام کے باعث لوگوں کو موت کی سزا سنا دی جاتی ہے۔ ایسے بے قصور لوگوں کے پاس اپنی زندگی بچانے کا آخری چارہ صدر مملکت کو رحم کی اپیل کرتے ہیں۔ مگر ہمیں پاکستان میں سزائے موت کے قیدیوں کی رحم کی اپیلیں مسترد ہونے کا ایک لگاتار تسلسل نظر آتا ہے جس سے لگتا ہے کہ صدر مملکت عدالتی اور تفتیشی نظام میں پائے جانے والے نقائص کو دور کرنے کی بجائے انہیں دوام بخشتے ہیں۔ یہ ایک ایسا طرز عمل ہے جس پر نظر ثانی کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

ذیل میں جسٹس پراجیکٹ پاکستان کی ایک رپورٹ کے ایک حصے کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس رپورٹ کے مطالعے سے اس مسئلے کو سمجھنے اور اسے حل کرنے میں بہت زیادہ مدد مل سکتی ہے۔

تعارف

صدرِ پاکستان نے عام طور پر قیدیوں کو معاف نہ کرنے کی پالیسی اپنا رکھی ہے اور انہوں نے سزائے موت کے منتظر قیدیوں کے لیے معافی یا سزائے موت کو کم سزا میں تبدیلی کو مؤثر طور پر ناممکن بنا دیا ہے۔ اگرچہ صدر آئین کو آرٹیکل 45 کے تحت رحم کی درخواستیں قبول کرتے ہوئے سزائے موت کے منتظر مدعا علیان کو معاف کرنے کا آئینی اختیار حاصل ہے، عملی طور پر ایسی درخواستیں ہمیشہ مسترد کر دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ اس رپورٹ میں نشاندہی کی گئی ہے، صدر ان قیدیوں کی رحم کی پٹیشنوں کو مسلسل مسترد کرتے رہے ہیں جن کے مقدمات اتنے مضبوط تھے کہ وہ دادرسی کے حقدار ٹھہرائے جاتے۔

پاکستان جیل ضوابط کے مطابق، رحم کی اپیلیں اس وقت دائر کی جاتی ہیں جب قیدی کی تمام عدالتی اپیلیں خارج ہو چکی ہوں۔ یہ ضوابط جیل حکام کو پابند کرتے ہیں کہ وہ اس قیدی کے توسط سے ایک رحم کی اپیل جمع کرائیں جسے وکیل کی نمائندگی حاصل نہ ہو۔ اس ضابطے پر عمل درآمد کے لیے، جیل حکام ایک مختصر رسمی 'پٹیشن' جمع کراتے ہیں جس میں قیدیوں اور ان کے ذاتی حالات سے متعلق اصل معلومات شامل نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ جے پی پی نے اس سے پچھلی رپورٹ میں ذکر کیا ہے، رحم کی درخواست محض تین سرسری سطور پر مشتمل ہوتی ہے:' قیدی کے بارے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ آ چکا ہے۔ اسے موت کی سزا سنائی گئی ہے۔ براہ کرم اس کی رحم کی درخواست پر غور کریں۔' ان درخواستوں میں عمر، معذوری، طبی حالت، سزائے موت کے انتظار میں گزارا گیا وقت، قید کے دوران رویہ، یا ایسے حالات کا شاذونادر ہی ذکر کیا جاتا ہے جو کم سزا کو جائز ثابت کرتے ہوں۔ اکثر اوقات، جب کسی قیدی کے پاس جیل کا ایسا طبی ریکارڈ موجود ہو جو رحم کی درخواست منظور کیے جانے کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہو، تو ان ریکارڈز کو شامل نہیں کیا جاتا۔ غالب طور پر، ان رحم کی اپیلوں کو بلا سوچے سمجھے مسترد کر دیا جاتا ہے۔

قیدیوں کو بسا اوقات اپنی اپیلیں مسترد ہونے اور ان کی رحم کی درخواستیں جمع کرائے جانے، اور ان کی اصل پھانسی کے درمیانی عرصے میں سالوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ان درمیانی سالوں میں ایسے حالات جنم لے سکتے ہیں جو رحم کے لیے اچھی بنیادیں فراہم کر سکتے ہیں: قیدی کسی شدید بیماری کا شکار ہوسکتا ہے، وہ جیل میں قیام کے دوران معاشرے کے لیے اپنا کردار ادا کر کے اپنے چال چلن کو بہتر بنا سکتا ہے، یا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ عمر قید کے برابر سزا کاٹ چکا ہو۔

قیدیوں کو بسا اوقات اپنی اپیلیں مسترد ہونے اور ان کی رحم کی درخواستیں جمع کرائے جانے، اور ان کی اصل پھانسی کے درمیانی عرصے میں سالوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ان درمیانی سالوں میں ایسے حالات جنم لے سکتے ہیں جو رحم کے لیے اچھی بنیادیں فراہم کر سکتے ہیں: قیدی کسی شدید بیماری کا شکار ہوسکتا ہے، وہ جیل میں قیام کے دوران معاشرے کے لیے اپنا کردار ادا کر کے اپنے چال چلن کو بہتر بنا سکتا ہے، یا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ عمر قید کے برابر سزا کاٹ چکا ہو۔ حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ درخواست پر مناسب توجہ دے اور اس بات کا منصفانہ اور معقول فیصلہ کرے کہ مقدمے میں رحم کی درخواست کو منظور کیا جائے یا نہیں۔ تاہم، اس وقت پاکستان میں منصفانہ سلوک کے ان بنیادی معیارات کو تسلیم نہیں کیا جاتا اور حتیٰ کہ جہاں قیدی رحم کی اپیلوں میں ان حالات کی نشاندہی کرنے کی کوشش بھی کی، تو انہیں نظرانداز کر دیا گیا۔

وزارتِ داخلہ کے مطابق، صدر کے دفتر نے 2012ء سے 2016ء تک سزائے موت پانے والے قیدیوں کی 513 رحم کی اپیلیں مسترد کیں۔ ان میں سے 444 دسمبر 2014ء میں پھانسیاں دوبارہ شروع کیے جانے کے بعد خارج کی گئیں۔ وزارتِ داخلہ نے غیر سرکاری طور پر یہ بھی تصدیق کی کہ حکومتِ پاکستان کی پالیسی یہ ہے کہ رحم کی تمام استدعائیں فوراً مسترد کر دی جائیں۔

جے پی پی نے سابقہ رپورٹس میں پاکستان کی سزائے موت کی سرگرمی میں منظم خلاف ورزیوں کی نشاندہی کی ہے اور حکومتِ پاکستان کو مجبور کیا ہے کہ وہ تمام پھانسیوں پر پابندی بحال کرے اور موت کی تمام سزاؤں کو منسوخ کرے۔ اس باب میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان کا رحم کا عمل کس طرح سے ملکی اور بین الاقوامی قانون دونوں کے خلاف ہے۔ اس رپورٹ میں جن مقدمات کی جانچ کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظام میں پائے جانے والے مذکورہ بالا مسائل کا سب سے زیادہ اثر پاکستان کے غیر محفوظ ترین افراد، جیسے کہ غریب، بچوں، اور جسمانی اور ذہنی معذوریوں کا شکار افراد پر پڑتا ہے۔

سزائے موت ایک ناقابلِ واپسی سزا ہے۔ پاکستان کے فوجداری نظام انصاف میں پائی جانے والی طریقہ کار سے متعلق کمزوریوں کے پیش نظر، یہ ضروری ہے کہ سزائے موت کے منتظر افراد کو معافی یا سزا میں کمی کے حصول اور نئے اور ممکنہ طور پر بریتی شواہد پیش کرنے کا مناسب موقع دیا جائے۔

قانونی معیارات

ملکی قانون

آئین پاکستان کا آرٹیکل 45 صدرِ پاکستان کو اختیار دیتا ہے کہ وہ رحم کی اپیلوں کو منظور کرتے ہوئے سزائے موت کے منتظر مدعا علیان کو معاف کر دے۔ پاکستان کے ضابطہ تعزیرات اور ضابطہ فوجداری کے تحت، صدر یا صوبائی حکومت سزائے موت کی سزا کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ اسی لیے، صدر کو بظاہر سزائے موت کے منتظر قیدیوں کی رحم کی درخواست منظور کرنے کا غیر مشروط اختیار حاصل ہے۔

آئین کی وضاحت کے باوجود، وفاقی شرعی عدالت (ایف ایس سی) جو پاکستانی قوانین کا شریعت کے ساتھ

مطابقت کا جائزہ لینے کے لیے بنائی گئی تھی، اور سپریم کورٹ نے سزائے موت کے منتظر قیدیوں کی صدر کی جانب سے معافی اور سزا میں کمی کے حصول کی قابلیت کو کمزور کیا ہے۔ سپریم کورٹ نے اپنے 1992ء کے ایک فیصلے میں قرار دیا کہ صدر کو حدود یا قصاص سے متعلقہ جرائم کے نتیجے میں ملنے والی سزائے موت کو تبدیل کرنے کا کوئی اختیار نہیں، اگرچہ صدر کو تعزیری سزاؤں کے طور پر دی گئیں سزاؤں کو تبدیل کرنے کا اختیار ہے۔البتہ، 2006ء میں سپریم کورٹ کے ایک فُل بنچ نے قرار دیا کہ صدر کا رحم کا اختیار غیر محدود ہے۔

آئین کے آرٹیکل 45 کے تحت، صدر کو سزاؤں کے حوالے سے رعایت دینے کا مکمل اختیار ہے اور کسی بھی ضمنی قانون میں عائد کی گئی کوئی بھی پابندی صدر کے اس اختیار کو محدود نہیں کرسکتی۔ان مقدمات کے سوا، جہاں دادرسی رعایت کے طور پر فراہم کی جاتی ہے-- جہاں دادرسی یا رحم ریاست کے وقار کے لیے ہوتا ہے، آئین کے آرٹیکل 45 کے تحت صدر کے اس صوابدیدی اختیار کا مقصد انصاف اور رحم کی شرائط پر اعلیٰ ترین سطح پر پورا اترنا، ناجائز سختی، یا سنگین غلطی یا عدالتی عمل کی خلاف ورزی کے خلاف دادرسی فراہم کرنا ہوتا ہے۔

سپریم کورٹ کے فیصلے کے باوجود، چند صورتوں میں صدر کا آئینی اختیار محدود ہوسکتا ہے۔ ایف ایس سی نے حکم جاری کیا کہ صرف کسی قتل ہونے والے شخص کے قانونی ورثاء ہی مجرم کو معاف کرنے کے مستحق ہیں۔ یہ بات غیر واضح ہے کہ اس مخصوص فیصلے کا کیا اثر ہوا اور نہ تو حکومت اور نہ ہی عدالتوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ آیا صدر کا معاف کرنے کا اختیار قتل کے جرائم تک محدود ہے۔ پاکستان کا ضابطہ تعزیرات اس ابہام میں یہ کہتے ہوئے مزید اضافہ کردیتا ہے کہ ایسا قیدی جسے قتل کے جرم میں سزائے موت سنائی گئی ہو اس کی سزا متاثرہ فرد کے ورثاء کی رضامندی کے بغیر تبدیل نہیں ہوگی۔ علاوہ ازیں، 2006ء میں محکمہ داخلہ پنجاب کے ایک عہدے دار نے کہا کہ 'قانون کے مطابق، سزائے موت کو صرف متاثرین کے رشتے دار معاف کرسکتے ہیں۔ یہ کہنا کافی ہوگا کہ ججوں اور عہدے داروں میں ملکی قانون کے تحت صدر کے معاف کرنے کے اختیار کے حوالے سے ابہام پایا جاتا ہے۔

اس کے باوجود، جن مقدمات میں متاثرہ فرد کے ورثاء معاف کرنے پر رضامند ہو بھی جائیں تو ہوسکتا ہے کہ صدر اپنے آئینی اختیار کو استعمال نہ کرے اور قیدی کو معاف کرنے سے انکار کردے۔ انسداد دہشت گردی ایکٹ (اے ٹی اے) دہشت گردی سے متعلقہ جرائم کے مجرموں کی سزا میں کمی یا معافی کی واضح طور پر ممانعت کرتا ہے۔ 'ایسے کسی بھی فرد کو کسی بھی سزا میں رعایت نہیں دی جائے گی جسے اس ایکٹ کے تحت مجرم قرار دیا گیا ہو۔ نتیجتاً، سزائے موت کے منتظر قیدیوں کو ان بعد از سزا حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے جن کے وہ آئین پاکستان کے تحت حقدار ہیں۔

اگرچہ اے ٹی اے سزا کی تبدیلی یا معافی کے امکان کو رد کرتا ہے، پاکستان نے، کم از کم اصولی طور پر، سزائے موت کے منتظر تمام بچوں کی سزاؤں میں تبدیلی کا اختیار دیا ہے۔ بچوں کا نظام انصاف آرڈیننس (جے جے ایس اے) 2000ء میں وضع کیا گیا تھا جو کم سن مجرموں کو سزائے موت دینے اور اس کا ان پر اطلاق کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔ 2001 میں صدر پاکستان نے آرٹیکل 45 کے اختیار کے تحت جے جے ایس او کی منظوری سے پہلے سزائے موت پانے والے بچوں کو معاف کرنے اور انہیں خصوصی رعایت دینے کا

آئین کے آرٹیکل **45** کے تحت، صدر کو سزاؤں کے حوالے سے رعایت دینے کا مکمل اختیار ہے اور کسی بھی ضمنی قانون میں عائد کی گئی کوئی بھی پابندی صدر کے اس اختیار کو محدود نہیں کرسکتی۔ان مقدمات کے سوا، جہاں دادرسی رعایت کے طور پر فراہم کی جاتی ہے--جہاں دادرسی یا رحم ریاست کے وقار کے لیے ہوتا ہے، آئین کے آرٹیکل **45** کے تحت صدر کے اس صوابدیدی اختیار کا مقصد انصاف اور رحم کی شرائط پر اعلیٰ ترین سطح پر پورا اترنا، ناجائز سختی، یا سنگین غلطی یا عدالتی عمل کی خلاف ورزی کے خلاف دادرسی فراہم کرنا ہوتا ہے۔

نوٹیفکیشن جاری کیا۔ اس طرح، تمام بچوں کی موت کی سزائیں کم عمری کی تصدیق ہوجانے پر عمر قید میں تبدیل ہوجائیں گی۔

ضیاء اللہ بنام نجیب اللہ میں سپریم کورٹ نے قرار دیا کہ جے جے ایس او کی دفعات کے تحت نوٹیفکیشن کے فائدے کا اطلاق 'سماعت کی عدالت کی جانب سے عمر کے تعین' کی بنیاد پر ہوگا۔ حکومت پنجاب نے اگست 2003ء میں لاہور ہائی کورٹ کے رجسٹرار کو ایک خط جاری کیا جس میں کہا گیا کہ صدر کے نوٹیفکیشن کے فائدے کا 'اطلاق خودبخود سزائے موت کے منتظران مدعاعلیان پر ہونا چاہیے جو تعزیری جرم کے ارتکاب کے وقت کم سن تھے، اس بات سے قطع نظر کہ رحم کی پٹیشن جمع کرائی جاچکی تھی یا نہیں۔

تاہم، 2014 میں سزائے موت پر پابندی ختم ہونے سے لے کر اب تک صدر مملکت نے سزائے موت کے کسی بھی نوعمر قیدی جنہیں نوٹیفکیشن میں تحفظ دیا گیا تھا، کو معافی نہیں دی۔

حکومتِ پاکستان رحم کی اپیلوں پر نظرثانی کے طریقہ کار میں بہتری لانے کے بارے میں سوچ بچار کررہی ہے تاکہ کھلی کمیٹی کا نظام لاگو کیا سکے۔ کمیٹی کے نظام میں چونکہ بہت زیادہ لوگ کردار ادا کررہے ہوتے ہیں اس لیے یہ زیادہ مفید رہتا ہے اور معافی کے طریقہ کار پر قانون کے نفاذ اور استغاثہ کے مفادات کی 'گرفت' کو کمزور کرتا ہے۔ گو عملی لحاظ سے ان میں کافی فرق ہوتا ہے مگر کھلی کمیٹیاں معافی کے اختیار کے استعمال کے ضمن میں مستقل مزاجی اور ادارہ جاتی یادداشت محفوظ رکھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں اور سیاسی اثر کا بیوروکریسی کی نسبت زیادہ بہتر مزاحمت کرسکتی ہے۔

عالمی قانون

عالمی قانون کی رو سے، سزائے موت کا کوئی بھی قیدی معافی مانگنے یا سزائے موت کو کم ظالمانہ سزا میں تبدیلی کا تقاضا کرنے کا حق رکھتا ہے۔ شہری و سیاسی حقوق کے آرٹیکل 6(4) کے مطابق، 'سزائے موت کے ہر قیدی کو معافی یا سزا میں تبدیلی کا تقاضا کرنے کا حق حاصل ہے۔ تمام مقدمات میں موت کی سزا معاف کی جاسکتی ہے یا کسی اور سزا میں تبدیل کی جاسکتی ہے۔ پاکستان نے آئی سی سی پی آر کی توثیق کررکھی ہے اس لیے اس پر اس کے تمام آرٹیکلز کی پاسداری کرنے کا فریضہ عائد ہے۔

ماورائے عدالت، فوری یا بے جا ہلاکتوں پر یو این کے خصوصی رپورٹیئر کے مطابق، معافی کے حق کا مطلب 'مثبت جواب کے حصول کا استحقاق نہیں ہے، مگر اس سے مراد ایک بامعنی طریقہ کار کی موجودگی ہے جس کے ذریعے اس حق کا اطلاق ممکن ہوسکے۔ یہ تاثر بہت اہم ہے کیونکہ یہ ریاستوں کو اس طریقہ کار کو محض ایک رسمی کاروائی بنانے سے روکتا ہے۔ یہی اصول یو این کی حفاظتی تدابیر میں بھی بیان کیا گیا ہے جن میں سزائے موت کے قیدیوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے جسے معاشی وسماجی کونسل نے منظور کیا تھا۔ جیسا کہ تھامپسن بنام وینسٹ اور دی گرینا ڈینز (806/1998) میں کہا کہ نیک نیتی کے ساتھ رحم کی اپیلوں کا جائزہ نہ لینا آئی سی پی آر کے آرٹیکل 6(4) کی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔

عالمی قانون کے ایک اور بنیادی اصول کی رو سے، رحم کے عمل کو یقینی بنانا ہوگا کہ 'سزائے موت کے قیدیوں کو رحم کے عمل کا حصہ بننے کے لیے مؤثر مواقع ملیں۔' آرٹیکل 6(4) میں قواعد وضوابط کی جو ضمانتیں دی گئی ہیں ان کے تحت سزائے

موت کے قیدی کو درج ذیل حقوق شامل ہیں 'اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ مؤثر طریقے سے معافی یا سزا میں تخفیف کی استدعا کر سکے؛ اپنی اس استدعا کی حمایت میں وہ اپنی نمائندگی کا حق رکھتا/رکھتی ہے اور کوئی بھی جواز پیش کر سکتا/سکتی ہے جو اسے ضروری معلوم ہوں؛ اسے پہلے سے بتایا جائے کہ استدعا پر کب غور کیا جائے گا؛ اور اس پر ہونے والے فیصلے کے متعلق فوری طور پر آگاہ کیا جائے۔

قواعد وضوابط سے متعلق ہونے والی زیادتیوں پر قابو پانے کے لیے، ماورائے عدالت، فوری یا بے جا پھانسیوں پر یو این کے رپورٹئیر نے کہا تھا کہ ریاستیں سزائے موت کے قیدی کو رحم کی اپیل کے طریقہ کے متعلق بنیادی معلومات؛ رحم کی اپیل پر غور کی تاریخ کے بارے میں معلومات اور ہونے والے فیصلے کا نوٹس دیا جائے تا کہ پورے عمل کا تقدس محفوظ ہو سکے۔ خصوصی رپورٹئیر نے اس بات پر زور دیا کہ افراد کو یہ موقع ضرور دیا جائے کہ وہ ایسی تمام معلومات جوان کے خیال میں مقدمے سے متعلقہ ہے، اپنی اپیل کا جائزہ لینے والی باڈی تک پہنچا سکیں تا کہ تمام متعلقہ معلومات سنی جا سکیں۔

پاکستان ان ذمہ داریوں کی واضح پامالی کر رہا ہے۔ جولائی 2017 میں، اقوامِ متحدہ کی کمیٹی برائے انسانی حقوق نے جائزہ لیا کہ آیا پاکستان آئی سی سی پی آر کی پاسداری کر رہا ہے کہ نہیں۔ جائزے کے دوران، پاکستان کا وفد ایسی ایک بھی مثال پیش نہ کر سکا کہ جس سے ثابت ہو سکے کہ 2014 میں سزائے موت پر عارضی پابندی ختم ہونے کے بعد صدر نے سزائے موت کے کسی قیدی کی رحم کی اپیل منظور کی ہو۔ سزائے موت کے اطلاق کے حوالے سے، کمیٹی نے اپنی حتمی مشاہدات میں کہا کہ وہ اس بات پر 'خاص طور پر تشویش میں مبتلا تھے کہ رحم کی درخواستوں کو رد کرنے کی پالیسی رائج ہے اور رحم کی کوئی ایک بھی درخواست منظور نہیں کی گئی۔'

دیگر ممالک کے قوانین کے ساتھ موازنہ

ہندوستان

صدارتی معافیوں سے متعلقہ ہندوستانی قوانین میں سزائے موت والے کیسز میں معاف کرنے کا اختیار ملک کے صدر اور ریاستوں کے گورنروں کے پاس ہے۔ ہندوستان کے آرٹیکل 72 کے تحت 'ریاست کے سربراہ کو سزائے موت معاف کرنے یا اس سزا میں تخفیف' کا اختیار ہے۔ آئین کے آرٹیکل 161 کے تحت معافی کے یہ اختیارات ہندوستان کی ریاستوں کے گورنروں کو بھی حاصل ہیں۔

آئین نے صدر کے اختیار کو محدود کرنے کا طریقہ کار بھی مہیا کیا ہے۔ اگرچہ آرٹیکل 72 صدر کو معاف کرنے کا مکمل اختیار دیتا ہے مگر یہ اختیار آرٹیکل 74 کے تابع ہے جس کی رو سے صدر یہ اختیار کونسل برائے وزراء کی مدد اور مشاورت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اختیار استعمال کرے گا۔

سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ صدارتی معافی ناموں میں ہندوستانی عدالتیں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اگرچہ معافی کا صدارتی اختیار آئین کا تفویض کردہ ہے اور عدلیہ سے آزاد ہے، مگر ہندوستان کی عدالتِ عظمٰی نے قرار دیا ہے کہ بعض معاملات میں صدر یا گورنر کی طرف سے معافی کے اختیار کا استعمال ہونا یا نہ ہونا عدالتی نظرثانی کے تابع ہے۔ اگر یہ اختیار من مانے طور پر یا مذہب، ذات، رنگ، یا سیاسی وابستگی کی بنیاد پر استعمال کیا جاتا ہے یا ان وجوہ کے باعث استعمال نہیں کیا جاتا تو پھر بھی عدالتِ عظمٰی نظرثانی کا اختیار رکھتی ہے۔

قواعد وضوابط سے متعلق ہونے والی زیادتیوں پر قابو پانے کے لیے، ماورائے عدالت، فوری یا بے جا پھانسیوں پر یو این کے رپورٹئیر نے کہا تھا کہ ریاستیں سزائے موت کے قیدی کو رحم کی اپیل کے طریقہ کے متعلق بنیادی معلومات؛ رحم کی اپیل پر غور کی تاریخ کے بارے میں معلومات اور ہونے والے فیصلے کا نوٹس دیا جائے تا کہ پورے عمل کا تقدس محفوظ ہو سکے۔ خصوصی رپورٹئیر نے اس بات پر زور دیا کہ افراد کو یہ موقع ضرور دیا جائے کہ وہ ایسی تمام معلومات جوان کے خیال میں مقدمے سے متعلقہ ہے، اپنی اپیل کا جائزہ لینے والی باڈی تک پہنچا سکیں تا کہ تمام متعلقہ معلومات سنی جا سکیں۔

عدالتی نظرثانی کے علاوہ، عدالتوں نے اس وقت بھی اُس معاملے میں مداخلت کی جب رحم کی پٹیشنیں بیوروکریسی سے متعلقہ نقائص کے سبب تاخیر کا سبب بنیں۔ مختلف اوقات میں ایسے کئی نمایاں کیسز سامنے آئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں رحم کی پٹیشن کا نظام کافی مؤثر ہے۔ مادھومتا بنام یونین آف انڈیا میں، عدالتِ عظمٰی نے کہا کہ 'فوری سماعت فرد کی زندگی اور آزادی کے بنیادی حق کا حصہ ہے'۔ مقدمے میں رحم کی اپیلوں میں انتظامیہ کی وجہ سے ہونے والی تاخیر کا جائزہ لیا گیا۔ قیدی آٹھ برسوں سے فیصلے کا انتظار کر رہا تھا جس کا اس کی ذہنی صحت پر بہت برا اثر پڑا تھا۔ عدالتِ عظمٰی نے آخرکار بہت زیادہ تاخیر ہونے کی وجہ سے سزائے موت میں تخفیف کر دی۔

اس کے علاوہ، 2014 میں شتروگھن چوہان بنام یونین آف انڈیا میں عدالتِ عظمٰی نے کہا کہ 'سزائے موت کے اطلاق میں حد سے زیادہ، بے ضابطہ، اور غیر معقول تاخیر ذہنی اذیت کا سبب بنتی ہے'۔ زیادہ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ عدالت نے کہا کہ سزائے موت کے اطلاق میں حد سے زیادہ، بے ضابطہ اور غیر معقول تاخیر ذہنی اذ?ت کا سبب بنتی ہے۔ یہ چیز بھی اہم ہے کہ عدالت نے کہا کہ صدر کی طرف سے حد سے زیادہ اور غیر وضاحت شدہ تاخیر مجرم کو سزا میں تخفیف کا مستحق بنانے کے لیے کافی ہے۔ عدالت کے فیصلے نے اس طرح کا کوئی حتمی اصول متعین نہیں کیا جس سے یہ طے ہو سکے کہ کتنے برسوں سے زائد مدت کی تاخیر اذیت تصور کی جائے گی، مگر عدالت نے ایک مقدمے میں ایسے 13 قیدیوں کی سزائیں کم کیں جو 6 برس اور 5 ماہ سے لے کر 12 برس اور 2 ماہ تاخیر کا شکار ہوئے تھے۔

اُسی مقدمے میں عدالت نے کہا کہ قیدیوں کے پاس معافی کے عمل کو درپیش مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے قانونی امداد حاصل کرنے کا حق ہے اور انہیں یہ حق بھی حاصل ہے کہ انہیں رحم کی پٹیشن کے نتیجے کے بارے میں تحریری طور پر آگاہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ، عدالت نے عدالتِ عظمٰی کے 2013 کے فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا جس میں کہا گیا تھا کہ دہشت گردی کے جرائم میں سزائے موت پانے والوں کو غیر ضروری تاخیر کے سبب اپنی سزا میں کمی کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں تھا۔

نتیجتاً، ہندوستانی صدور رحم کی پٹیشنوں کے معاملے میں مؤثر پن کو بڑی ترجیح تصور کرتے ہیں۔ 1950 سے لے کر اب تک، 437 رحم کی پٹیشنوں میں سے 306 مجرموں کی سزا کم کی گئی۔ 2007 میں اپنا عہدہ سنبھالنے والی صدر پراتیبھا پٹیل نے 34 رحم کی پٹیشنیں قبول کیں جن میں سے 5 مسترد کیں۔ اگرچہ اگلے صدر پرناب مکھرجی نے رحم کی پٹیشنوں پر فوری کارروائی کی مثال قائم کی ہے، مگر لگتا ہے کہ شتروگھن مقدمے کے غیر دانستہ نتیجے نے پٹیشنوں کے استرداد کا عمل تیز کر دیا ہے۔ مکھرجی نے لگ بھگ 90 فیصد مقدمات میں رحم کی اپیلیں مسترد کی ہیں۔

ہندوستان کو معافی کے شفاف اور منصفانہ نظام کے اطلاق کے لیے ابھی کافی سفر طے کرنا ہے۔ البتہ، سزائے موت کے قیدیوں کو معافی دینے کے حوالے سے ہندوستانی صدور نے ایک دوسرے سے مختلف طرزِ عمل کے باوجود رحم کی پٹیشنوں پر مؤثر کارروائی کی قانونی روایت کو قائم و دائم رکھا ہے۔

بنگلہ دیش

عوامی جمہوریہ بنگلہ دیش نے 1971 میں اپنی آزادی سے لے کر اب تک سزائے موت کو برقرار رکھنے کی پالیسی

اختیار کر رکھی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بنگلہ دیشی قوانین نے سزائے موت کے حوالے سے آئی سی سی پی آر کی انسانی حقوق کی اقدار کے طرف جھکاؤ کیا ہے۔ 2015 میں عدالتِ عظمیٰ نے کہا کہ لازمی سزائے موت غیر آئینی ہے، اور یہ کہ عدالتیں بعض مناسب مقدمات میں سزائے موت کا اطلاق نہ کرنے کا اپنا صوابدیدی اختیار استعمال کر سکتی ہے۔ 2014 کے اختتام پر، بنگلہ دیش میں کم از کم 1235 افراد سزائے موت کے قیدی تھے۔ 2016 میں 16 لوگ تختہ دار پر لٹکائے گئے، اور 2017 میں تین افراد کو پھانسی دی گئی۔

تاہم، بنگلہ دیشی عدلیہ کے ماضی میں سزائے موت جاری کرنے کے کچھ فیصلے اکثر جانبدارانہ رہے ہیں اور ان پر عوام کی تعریف وتنقید کے ملے جلے ردعمل کا مظاہرہ ہوا تھا۔ 2013 میں ایک عدالت نے 152 افراد کو سزائے موت اور 161 دیگر لوگوں کو عمر قید سنائی تھی۔ یہ سزائیں ڈھاکہ میں ایک بغاوت کے جرم میں سنائی گئی تھیں جس میں بنگلہ دیش بارڈر گارڈ کے بعض افسران نے 74 لوگوں کو قتل اور ' کئی عورتوں' کے ساتھ جنسی زیادتی کی تھی۔ سزائے موت کے خاتمے کے حامیوں نے سزائے موت کے اس بڑے ٹرائل پر تنقید کی تھی اور الزام لگایا تھا کہ ان سزاؤں کا مقصد ' قانون کی حکمرانی پر اعتماد بڑھانے' کے بجائے ' ظالمانہ انتقام کی خواہش کو مطمئن کرنا تھا'۔

بنگلہ دیش کے آئین کے آرٹیکل 49 کی رو سے صدر کو ' کسی بھی عدالت، ٹریبونل، یا دیگر اتھارٹی کی طرف سے دی گئی سزا معاف کرنے، ملتوی کرنے، موقوف کرنے اور کم، معطل یا اس میں تخفیف کرنے کا اختیار ہے۔ صدر کے معاف کرنے کے فیصلے پر اکثر اوقات سیاست بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ 2009 سے 2013 تک اپنی صدارتی مدت کے دوران، ظل الرحمان نے سزائے موت کے 21 قیدیوں کو معافی دی، جن میں سے 21 رحمان کی عوامی لیگ کے کارکن تھے۔ انہیں 2004 میں حکومت کی حریف نیشنل پارٹی کے مقامی رہنماء کے قتل میں ملوث ہونے کے الزام میں سزا ہوئی تھی۔ دوسرا فرد جسے صدر رحمان نے اپنی مدت کے دوران معاف کیا، اس نے تین لوگوں کو قتل کیا تھا؛ انہوں نے اس کی سزا کو 2012 میں دوبارہ دس برس کی سزا میں بدلا۔ ایشین ہیومن رائٹس کمیشن نے اس اقدام پر تنقید کی اور دعویٰ کیا کہ ' سیاسی جماعتیں ملک کے فوجداری نظامِ انصاف کا مفید طریقے سے ناجائز استعمال کر رہی ہیں'۔

دوسری طرف، بنگلہ دیش کے موجودہ صدر عبدالحامد نے اپنے معافی نامے کے اختیارات استعمال کرنے سے بارہا انکار کیا ہے۔ 1971 کی جنگِ آزادی کے دوران ہونے والے جنگی جرائم کی عالمی جرائم ٹریبونل کے ذریعے تحقیقات ہونے کے بعد، جماعت اسلامی کے دو سینئر اراکین کو پھانسی دی گئی۔ ٹرائل کی شفافیت پر اقوامِ متحدہ کے تحفظات کے باوجود صدر حامد نے ان کی رحم کی اپیلیں مسترد کر دی تھیں۔

بنگلہ دیش میں سزائے موت بشمول سزائے موت کے قیدیوں کو معافی کے معاملے نے اکثر اوقات سیاسی ساز باز اور تماشا کاری کی صورت اختیار کی ہے، معاملے پر ہونے والی بحث پُر تشدد مظاہروں اور فسادات پر منتج ہوئی ہے۔ پاکستان

بنگلہ دیشی عدلیہ کے ماضی میں سزائے موت جاری کرنے کے کچھ فیصلے اکثر جانبدارانہ رہے ہیں اور ان پر عوام کی تعریف وتنقید کے ملے جلے ردعمل کا مظاہرہ ہوا تھا۔ **2013** میں ایک عدالت نے **152** افراد کو سزائے موت اور **161** دیگر لوگوں کو عمر قید سنائی تھی۔ یہ سزائیں ڈھاکہ میں ایک بغاوت کے جرم میں سنائی گئی تھیں جس میں بنگلہ دیش بارڈر گارڈ کے بعض افسران نے **74** لوگوں کو قتل اور ' کئی عورتوں' کے ساتھ جنسی زیادتی کی تھی۔ سزائے موت کے خاتمے کے حامیوں نے سزائے موت کے اس بڑے ٹرائل پر تنقید کی تھی اور الزام لگایا تھا کہ ان سزاؤں کا مقصد ' قانون کی حکمرانی پر اعتماد بڑھانے' کے بجائے ' ظالمانہ انتقام کی خواہش کو مطمئن کرنا تھا'۔

اگر اپنے ملکی و عالمی قانونی فرائض کی مطابقت میں رحم کی اپیل پر ہونے والی کارروائی کو بامعنی بنانا چاہتا ہے تو پھر اسے یقینی بنانا ہوگا کہ اس کا نظام غیر جانبدار اور غیر سیاسی رہے۔

پاکستان میں رحم کی پٹیشن کے نظام کی خامیاں

رحم کی تمام پٹیشنیں خارج کرنے کی پالیسی

پاکستان کے آئین کے تحت صدر کو سزائے موت کے کسی بھی قیدی کو معاف کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ تاہم، 2014 میں پھانسی پر پابندی ختم ہونے کے بعد سے لے کر اب تک، صدر نے کسی ایک قیدی کو بھی معاف نہیں کیا، باوجود اس کے کہ انہیں کئی ایسے کیسز ملے جن میں معافی ملنی چاہیے تھی۔ صدارتی معافی ناانصافی کے خلاف آخری دفاع ہوتا ہے اور اگر اس کا استعمال نہ کیا جائے تو پھر غیر منصفانہ پھانسیوں سے بچنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ رحم کی پٹیشنیں پاکستان میں صرف رسمی کارروائی بن چکی ہے، یہ آخری کوشش ہوتی ہے جو کبھی بھی منظور نہیں کی گئی۔ معافیوں کی غیر موجودگی نے پاکستان کے قانونی نظام کو نقصان پہنچایا اور ناانصافی کو فروغ دیا ہے۔ پھانسی کی بحالی سے لے کر اب تک، رحم کی ایک بھی پٹیشن منظور نہ کر کے پاکستان نے اپنی ملکی و عالمی ذمہ داریوں کی خلاف ورزی کی ہے۔ سزائے موت کے کئی قیدیوں بشمول ان کے جن کا ذکر اس رپورٹ میں کیا گیا ہے، کے پاس معافی لینے کے بہت سے ٹھوس دلائل ہیں۔ اس لیے، آبادی کے اس غیر محفوظ طبقے کو معافی دینے سے صاف انکار کی پاکستانی پالیسی نے موجودہ نظام کی خامیوں کو بے نقاب کیا ہے۔ و

مقدمے کا خلاصہ: محمد سرفراز

رحم کی پٹیشن مسترد کر دی گئی

سرفراز 17 برس کا تھا جب اُسے گرفتار کیا گیا۔ اُسے قرضے کی ادائیگی کے معاملے پر ہونے والے ایک تنازعے میں اپنے دوست کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ گرفتاری کے وقت اس عمر کا پتہ پیدائش کے رجسٹر میں ہونے والے اندراج اور حکومت کی طرف سے جاری ہونے والے پیدائش سرٹیفکیٹ، نیز اس دائی کی بیٹی کے چشم دید بیان سے لگایا گیا جس نے سرفراز کی پیدائش کے وقت بطورِ دائی خدمت انجام دی تھی، ان کا نام پیدائش سرٹیفکیٹ پر بھی درج ہے۔ سرفراز کی کمسنی کی دلیل اس کے ٹرائل کے وقت پیش نہیں کی گئی تھی کیونکہ کم عمر افراد کو سزائے موت سے تحفظ فراہم کرنے والا جووینائل جسٹس سسٹم آرڈیننس (جے جے ایس او) ابھی نافذ نہیں ہوا تھا۔

جے جے ایس او اور صدارتی نوٹیفکیشن کے اطلاق جس نے کم عمر مجرموں کو سزائے موت سے تحفظ فراہم کیا تھا، انہیں بھی جنہیں جے جے ایس او کے نفاذ سے قبل سزائے موت سنائی گئی تھی، کے بعد سیکریٹری وزارتِ داخلہ پنجاب نے سرفراز کی کم عمری کے تعین کے لیے ایک انکوائری کروانے کے لیے خط لکھا تھا۔ اس وقت سرفراز کی رحم کی پٹیشن زیر التوا تھی۔ سیشن کورٹ کی طرف سے انکوائری کے دوران عدالتی عملے کے ایک اہلکار سے سرفراز کے مقدمے کی فائل گم ہوگئی تھی اور کم عمری پر انکوائری کبھی بھی نہ ہو سکی۔ عدالت نے وزارتِ داخلہ پنجاب سے غلط بیانی کرتے ہوئے کہا کہ عدالت اب انکوائری کروانے کی مجاز نہیں رہی جس کے نتیجے میں سرفراز کی رحم کی پٹیشن مسترد ہو گئی۔ مطلوبہ انکوائری کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے، عدالت نے کم عمری ثابت کرنے کا بارِ ثبوت سرفراز پر ڈال دیا حکومت کی جاری کردہ پیدائش رجسٹریشن دستاویزات رد کر دیں اور قانونی لحاظ سے ناقص اور ناقابلِ بھروسہ سکول

ریکارڈ قبول کیا، عالمی وملکی قانون کے منافی۔

مارچ 2016 میں، سرفراز کے وکیل نے صدرِ پاکستان کے پاس رحم کی نئی پٹیشن جمع کروائی جس میں درخواست کی گئی کہ سرفراز کو کم عمری کی بنیاد پر معاف کیا جائے اور کہا کہ نئی چشم دید شہادت بھی سرفراز کی بریت کا تقاضا کرتی ہے۔ تاہم، صدر نے مقدمے میں عدالتی شعبے کی ناکامی کے باوجود سرفراز کی رحم کی اپیل منظور کرنے سے انکار کردیا۔ آخرکار، اس کے وکیل نے عدالتِ عظمیٰ سے پھانسی کے خلاف حکم امتنا?عی حاصل کیا، تاہم اس کی پھانسی کا حکم امتناعی ابھی نافذ العمل تھا اور اس پر سماعت ہونی تھی، اس کی پھانسی کے بلیک وارنٹ جاری کردیے گے جن کی رو سے اسے سماعت سے تین روز قبل پھانسی دینا قرار پایا۔ اپنی کم عمری میں موت کی سزا پانے والے سرفراز کو 18 برس تک کال کوٹھڑی میں رکھنے کے بعد 10 مئی 2016 کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

مقدمے کا خلاصہ: ڈاکٹر ذوالفقار علی خان

رحم کی پٹیشن خارج کردی گئی

ڈاکٹر ذوالفقار علی خان اور ان کے چھوٹے بھائی کو اسلام آباد میں ایک مسلح رہزنی کے ایک واقعے میں 1998 میں گرفتار کیا گیا۔ اپنی اور اپنے بھائی کی زندگی کو درپیش خطرے کے پیشِ نظر، اس نے اپنے دفاع کا حق استعمال کرتے ہوئے دو رہزنوں کو گولی مار دی تھی۔ شدید غربت کے باعث ذوالفقار کا خاندان وکیل کی خدمات لینے سے محروم رہا جس کے نتیجے میں اسے ریاست کے مقرر کردہ وکیل پر انحصار کرنا پڑا جس کی نااہلیت نے اس کے مقدمے کو بہت ز?ادہ نقصان پہنچایا۔ انسداد دہشت گردی کی عدالت نے ذوالفقار کو فائرنگ اسکواڈ کے ذریعے گولی مار کر موت کی سزا دینے کا فیصلہ سنایا۔ لاہور ہائی کورٹ نے 2001 میں اس کی سزا برقرار رکھی اور 2002 میں عدالتِ عظمیٰ نے اس کی اپیل خارج کردی۔

ذوالفقار نے عمر بھر ریاست کی خدمت کی۔ جیل جانے سے پہلے، وہ پاک بحریہ میں تعینات تھے۔ اس کے علاوہ، سزائے موت کے 18 برسوں کے دوران، ذوالفقار نے خود کو ایک قابلِ تقلید قیدی ثابت کیا۔ نہ صرف 33 ڈپلومہ کورسسز مکمل کیے، بلکہ اپنے 50 ساتھی قیدیوں کو تعلیم سے بھی آراستہ کیا۔ انہیں اڈیالہ جیل میں 'معلّم' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

ذوالفقار کے شاگردوں میں سے ایک نے بتایا، 'جب مجھے سزائے موت کی کوٹھڑی میں ڈالا گیا تو میں مکمل طور پر ان پڑھ تھا۔ ان (ذوالفقار) کی سخت محنت کی بدولت اب میں بی اے کی تیاری کر رہا ہوں۔ وہ میری زندگی میں ایک فرشتہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ذوالفقار کے ایک اور ساتھی قیدی نے کہا، 'انہوں نے اپنی زندگی کے گذشتہ 14 برس امن، صبر، اور نیکی کا پیغام عام کرنے میں بسر کیے ہیں۔۔۔ وہ لوگوں کے کے لیے ایک اچھا نمونہ اور قابل احترام شخصیت ہیں'۔

ذوالفقار کی متاثر کن کہانی کے باوجود، صدر نے اسے ریلیف دینے سے انکار کردیا۔ پہلے نیوی کے باصلاحیت رکن کے حیثیت سے اور بعد میں جیل میں معلّم کے طور پر انہوں نے ریاست کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ، ان کی پھانسی سے متاثر ہونے والی ان کی دو بیٹیاں اب معاشرے میں یتیمی کی زندگی گزار رہی ہیں کیونکہ ان کی والدہ ذوالفقار کی قید کے دوران خون کا سرطان کے باعث فوت ہو گئی تھیں۔ ذوالفقار کی رحم کی معاشرے کے لیے ذوالفقار کی حقیقی خدمات، اپنی ذاتی حفاظت کا معاملہ، ان کے نااہل وکیل، اور ریاست پاکستان کے لیے لیے خدمات کے باوجود ان کی رحم کی پٹیشن کے رد ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ آئین کے آرٹیکل 45 کے تحت صدارتی اختیار کے اطلاق کے نظام میں بہت زیادہ خامیاں پائی جاتی ہیں۔

ذوالفقار نے عمر بھر ریاست کی خدمت کی۔ جیل جانے سے پہلے، وہ پاک بحریہ میں تعینات تھے۔ اس کے علاوہ، سزائے موت کے **18** برسوں کے دوران، ذوالفقار نے خود کو ایک قابل تقلید قیدی ثابت کیا۔ نہ صرف **33** ڈپلومہ کورسسز مکمل کیے، بلکہ اپنے **50** ساتھی قیدیوں کو تعلیم سے بھی آراستہ کیا۔ انہیں اڈیالہ جیل میں 'معلّم' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

صدر کے پاس کُلی اختیار ہے

ایک بار جب رحم کی پٹیشن درج ہوجائے تو پھر صدر کے پاس معاف کرنے کا مکمل اختیار ہوتا ہے۔ جب صدر رحم کی پٹیشن منظور نہ کرنے کا فیصلہ کریں جبکہ وہ پٹیشن منظور ہونی چاہیے تو پھر دیگر سیاسی یا قانونی عناصر نہ تو اس عمل میں تیزی لا سکتے ہیں اور نہ ہی صدر پر اثرانداز ہو سکتے ہیں۔ یہ بات جووینائل جسٹس سسٹم آرڈیننس (جے جے ایس او) جو کہ اس وقت غیر فعال ہے، کے نفاذ کے دوران واضح ہوگئی تھی۔ عدالتوں، شعبہ قانون، اور دیگر سرکاری اہلکاروں نے صدر کو کم عمر مجرموں کو معاف کرنے پر مائل کرنے کی کوششیں بھی کی ہیں مگر اس کے باوجود پھانسی پر پابندی ہٹنے کے بعد سے لے کر اب تک صدر نے کسی بھی کم عمر مجرم کی سزائے موت کو قید کی سزا میں تبدیل نہیں کیا۔

مقدمے کا خلاصہ: محمد اقبال

رحم کی پٹیشن زیر التوا ہے

محمد اقبال کی عمر 17 برس تھی جب اسے 1998 میں فائرنگ کے ایک وقوعے میں ہونے والے قتل میں گرفتار کیا گیا تھا۔ ٹرائل کورٹ نے اپنے فیصلے میں اس بات کی تصدیق کی تھی کہ اقبال 18 برس کا تھا یعنی کہ فائرنگ کے وقت وہ کم عمر تھا۔ جے جے ایس او کے تحفظ کے باوجود جو اقبال کو ملنا چاہیے تھا، لاہور ہائی کورٹ نے اس کی موت کی سزا برقرار رکھی اور عدالتِ عظمیٰ نے 2002 میں اس کی اپیل مسترد کردی۔ دونوں اپیلیٹ کورٹس نے تسلیم کیا تھا کہ جرم کے وقت وہ کم عمر تھا مگر اس کے باوجود اقبال نے اپنی نصف زندگی جیل میں گزار دی ہے اور ابھی بھی پھانسی اس کی منتظر ہے۔

3 جولائی 2017 کو، قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (این سی ایچ آر) نے اقبال کے مقدمے کا نوٹس لیا اور اس امر پر تشویش کا اظہار کیا کہ جے جے ایس او کے تحت وہ جس ریلیف کا مستحق تھا اس سے اسے محروم کیا گیا اور ہدایت کی کہ حکومت جب تک اس معاملے کی با قا?عدہ تحقیقات نہ کرلے، حکام اس کی پھانسی کے وارنٹ جاری کرنے سے گریز کریں۔ اس کے چند دن بعد، پاکستان کے اب تک کے پہلے آئی سی سی پی آر جائزے میں کمیٹی برائے انسانی حقوق نے مطالبہ کیا کہ اقبال کو صدارتی معافی نامہ ملنا چاہیے۔ اگرچہ حکومتِ پنجاب نے وارنٹ جاری کرنے کی اپنی درخواست واپس لے لی ہے مگر عمر کے تعین کے لیے کوئی انکوائری نہیں ہوئی اور کم عمر ہونے کے باوجود اقبال سزائے موت کا منتظر ہے۔ اس کے مقدمے پر دو برس سے 'نظرثانی' کی جارہی ہیا ور اندرونی و بیرونی عناصر کے دباؤ کے باوجود صدرِ پاکستان نے اقبال کو معافی دینے سے انکار کردیا ہے۔

پٹیشنوں میں تفصیلات اکثر ناکافی ہوتی ہیں

اگرچہ رحم کی پٹیشن کی منظوری یا نامنظوری کا حتمی فیصلہ صدرِ پاکستان ہی کرتے ہیں مگر نظام کی خامیاں صرف ان کے کھاتے میں نہیں ڈالی جاسکتیں کیونکہ پٹیشنوں میں بھی معلومات ناکافی ہوتی ہیں اور وہ مقدمے کی مکمل وضاحت کرنے میں ناکام رہتی ہیں۔ پٹیشن کا موجودہ نظام بہت ز?ادہ ناقص ہے جس میں جیل کے حکام اُن قیدیوں کی پٹیشنیں لکھتے ہیں جن کا کوئی وکیل نہیں ہوتا اور اس دوران ان کے اہل خانہ سے بھی رابطہ نہیں کیا جاتا۔ پٹیشنیں لکھتے وقت، جیل حکام مقدمے کا تناظر بہت کم درج کرتے ہیں اور مقدمے کے حقائق کی صحیح وضاحت کم ہی کرتے ہیں۔ اس

کے بجائے وہ انتہائی مختصر درخواست تحریر کرتے ہیں۔اس طرح کا کوئی معیار متعین نہیں ہے جو یہ طے کرے کہ پٹیشن میں کس طرح کی معلومات ہونی چاہییں اور جیل حکام کو مفصّل رپورٹس لکھنے میں کوئی مفاد نظر نہیں آتا۔اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جیل حکام کے پاس اس سے زیادہ اختیار آجاتا ہے جو انہیں تفویض کیا گیا ہوتا ہے، خاص طور پر قیدیوں کے انصاف کی آخری کوشش ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔اختیار کا یہ عدم توازن جیل کے نظام میں بدعنوانی کے موقع کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

حد سے زیادہ غیر ضروری تاخیر

پاکستان میں رحم کی پٹیشن کا عمل غیر مؤثر ہے اور پٹیشنوں کے تصفیے میں بہت زیادہ وقت لگتا ہے۔ پاکستان کے آئین کا آرٹیکل 45 رحم کی پٹیشنوں پر فیصلے کے لیے کوئی حتمی مدت مقرر نہیں کرتا اس لیے صدر پٹیشنوں پر فیصلہ غیر حتمی مدت تک ملتوی کرسکتا ہے۔اور سزا یافتہ ملزمان کئی دہائیوں تک کال کوٹھڑی میں پڑے رہتے ہیں جس سے وہ ناقابلِ تلافی نفسیاتی نقصان سے دوچار ہوتے ہیں۔اسی طرح ہندوستانی آئین میں بھی رحم کی پٹیشنوں پر فیصلے کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں ہوئی۔تاہم، جب سزائے موت کے قیدی اپنی پٹیشنوں پر فیصلے کے انتظار میں کئی برس تک جیل میں پڑے رہے تو پھر عدالت عظمیٰ نے کہا کہ اگر پٹیشن پر صدارتی فیصلے میں تاخیر کی کوئی معقول وجہ پیش نہ کی جائے تو اس طرح کے کیسز میں سزائے موت عمر قید میں تبدیل ہوسکتی ہے۔اگر ہندوستان کی مثال کی تقلید کی جائے اور رحم کی اپیلوں پر فیصلے میں طویل تاخیر کو غیر آئینی قرار دیا جائے تو پھر پاکستان میں رحم کی پٹیشن پر معافی کا عمل زیادہ مؤثر اور باضابطہ بن سکتا ہے۔

مقدمے کا خلاصہ: عبدالباسط

رحم کی پٹیشن زیرِ التواء ہے

عبدالباسط کو قتل کے جرم میں مئی 2009 میں مجرم قرار دیا گیا اور موت کی سزا سنائی گئی۔ باسط کو سنٹرل جیل فیصل آباد میں بند کیا گیا جہاں وہ کئی دوسرے قیدیوں کے ساتھ جیل کے بدنام زمانہ 'سزا ونگ' میں قید رہا جہاں وہ گندے اور غیر صحت مند حالات میں رہنے پر مجبور تھے۔جلد ہی باسط کو بخار ہوگیا اور کئی ہفتوں تک اس کا طبی معائنہ نہ کیا گیا جس کی وجہ سے آخر کار وہ کوما میں چلا گیا۔ان حالات میں رہنے کی وجہ سے وہ ٹی بی کا مریض بن گیا اور جیل انتظامیہ کی غفلت کے باعث اس کا کمر سے نیچے کا دھڑ مفلوج ہوگیا۔2015 میں سامنے آنے والی ایک میڈیکل رپورٹ میں بتایا گیا کہ وہ "مستقل طور پر معذور ہوگیا ہے اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ اپنی باقی ماندہ زندگی میں 'بستر پر پڑا رہے گا'۔

باسط کی رحم کی پٹیشن 2013 میں جمع کروائی گئی جس میں اس کی بیمار حالت اور معذوری کی بنیاد پر اس کو معافی دیے جانے کی درخواست کی گئی۔ بالآخر یہ پٹیشن 2015 میں خارج کردی گئی باوجود اس حقیقت کے کہ پاکستان کے قانون کی رو سے بیماری کی بنیاد پر کسی بھی قیدی کی سزا کم ہوسکتی ہے۔پٹیشن مسترد ہونے کی کوئی تحریری وجہ تو نہیں دی گئی مگر لگتا ہے کہ یہ فیصلہ سراسر انتظامی وجوہات پر کیا گیا تھا کیونکہ جیل حکام وزارتِ داخلہ کو سرکاری میڈیکل ریکارڈ کی نقول فراہم نہیں کرسکے تھے(عبدالباسط کے خاندان کی طرف سے غیر مصدقہ نقول فراہم کی گئی تھیں)۔2015 میں تین مرتبہ

پاکستان میں رحم کی پٹیشن کا عمل غیر مؤثر ہے اور پٹیشنوں کے تصفیے میں بہت زیادہ وقت لگتا ہے۔ پاکستان کے آئین کا آرٹیکل **45** رحم کی پٹیشنوں پر فیصلے کے لیے کوئی حتمی مدت مقرر نہیں کرتا اس لیے صدر پٹیشنوں پر فیصلہ غیر حتمی مدت تک ملتوی کرسکتا ہے۔اور سزا یافتہ ملزمان کئی دہائیوں تک کال کوٹھڑی میں پڑے رہتے ہیں جس سے وہ ناقابلِ تلافی نفسیاتی نقصان سے دوچار ہوتے ہیں۔

باسط کی پھانسی ملتوی کی گئی، ہر بار عالمی برادری کے احتجاج کے بعد جن کا کہنا تھا کہ باسط کی پھانسی انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہوگی۔آخری بار پھانسی ملتوی ہونے کے بعد، صدرِ پاکستان نے وعدہ کیا کہ باسط کے معاملے کی انکوائری کروائی جائے گی اور کہا کہ "بنیادی انسانی حقوق کا ہر حال میں تحفظ کیا جائے گا۔" جنوری 2016 میں معاملے کے حل کے حوالے سے کسی قسم کی پیش رفت کے بغیر پھانسی کے التواء کی مدت پوری ہوگئی اور پھانسی ملتوی کرنے کا ایک اور حکم نامہ جاری ہوگیا۔باسط کے خاندان کی طرف سے کئی گئی متعدد رحم کی پٹیشنوں پر ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا مگر یہ بات واضح ہے کہ قانون کی رو سے باسط کی پھانسی پر عملدرآمد نہیں ہوسکتا۔اس وقت، باسط کا معاملہ قانونی لحاظ سے غیر یقینی صورتحال کا شکار ہے کیونکہ صدرِ مملکت رحم کی پٹیشن کے حوالے کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے۔حکومت باسط کی سزا کم کرنے کے بجائے پھانسی کو غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کرنے کی پالیسی پر گامزن نظر آ رہی ہے۔

بے دست و پا قیدیوں پر رحم نہیں کیا جا رہا

پاکستان کے سزائے موت کے قیدیوں میں انتہائی غیر محفوظ طبقے بھی شامل ہیں جیسے کے نو عمر بچے اور معذوری کے شکار لوگ۔پاکستان پر عالمی و ملکی فریضہ عائد ہے کہ وہ ایسے افراد کو تختہ دار پر نہ لٹکائے۔آئی سی سی پی آر کے مطابق، ایسے کسی بھی فرد کو پھانسی نہیں دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت جس کی عمر 18 برس زائد نہ ہو۔آئی سی سی پی آر کا فریق ہونے کی حیثیت سے پاکستان اس بات کو یقینی بنانے کا پابند ہے کہ ملک میں کسی بچے کو اس قسم کی سزا نہ ملے اور یہ کہ سزا صرف انتہائی سنگین جرائم میں ہی دی جائے۔2000 میں متعارف ہونے والے جے جے ایس او کے بعد یہ اصول ملکی قانون کا حصہ بن گیا ہے۔

اس کے علاوہ، عالمی رواجی قانون ذہنی معذوری کے شکار قیدیوں کو پھانسی نہ دینے کا تقاضا کرتا ہے۔انسانی حقوق پر اقوام متحدہ کے کمیشن نے ایسی کئی قراردادیں منظور کی ہیں جن میں تمام ریاستوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ کسی ایسے فرد کو پھانسی نہ دیں جو" کسی بھی قسم کے ذہنی عارضے کا شکار ہے"۔ فرد جرم کے ارتکاب کے وقت ذہنی بیمار تھا یا نہیں اس بات سے قطع نظر یہ اصول لاگو ہیں۔عالمی سطح پر اس اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ذہنی بیمار اور کم عمروں کو پھانسی نہ دی جائے، مگر پاکستان کے صدر نے 2014 میں پھانسیوں پر عائد پابندی ہٹنے سے لے کر اب تک کسی کم عمر یا ذہنی بیمار قیدی کی سزائے موت معاف نہیں کی۔

مقدمے کا خلاصہ: محمد انور

رحم کی اپیل زیرِ التواء ہے

1998 میں، محمد انور کو سیشن کورٹ نے ایک ایسے جرم کی پاداش میں سزا دی جو انہوں نے مبینہ طور پر اس وقت کیا جب ان کی عمر 17 برس تھی۔محمد انور کا مقدمہ پاکستان میں سزائے موت کے انتہائی غیر مؤثر نظام میں پائے جانے والی خامیوں کی بھینٹ چڑھا ہے۔انور کے خاندان نے پچھلے دو عشرے سیکریٹری داخلہ، سیشن کورٹ اور وزارت داخلہ میں انور کی عمر کے تعین کے لیے درخواستیں جمع کرنے میں گزار دیے ہیں۔یہ درخواستیں جمع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جرم کے ارتکاب کے وقت انور کی کم عمری کی تصدیق ہوسکے۔ان کوششوں کے باوجود، اسے 19 دسمبر 2015 کو پھانسی دینے کا وارنٹ جاری ہوگیا حالانکہ انور کی کم عمری سے متعلقہ کارروائیاں عدالتِ عالیہ میں زیرِ سماعت تھیں۔اس کے وکلا کی ٹیم کی کوشش سے عدالت نے آخری لمحے میں اس کی پھانسی ملتوی کی۔

کم عمری کے تعین اور صدارتی نوٹیفکیشن کے تحت سزا میں تخفیف کا جو حق انور کو حاصل ہے، وہ اب عدالتِ عظمیٰ میں زیرِ غور ہے۔انور تقریباً 24 برس جیل میں گزار چکا ہے اور یہ مدت اس قید سے زیادہ ہے جو اسے اس وقت کاٹنی پڑتی

اگر 2002 میں اس کی سزا عمر قید میں تبدیل ہو جاتی۔ صدرِ پاکستان نے انور کی رحم کی اپیل کی اجازت دے کر اس کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کا مداوا کرنے سے انکار کیا ہے۔

امداد علی کے مقدمے کا خلاصہ

رحم کی اپیل زیر التواء ہے

ایک ذہنی معذور شخص امداد علی کو لاہور ہائی کورٹ نے 2002 میں ایک مذہبی دانشور/ٹیچر کے قتل میں سزائے موت سنائی۔ امداد علی نے 1998 میں اپنے اہلِ خانہ کو شیزوفرینیا کی علامات ظاہر کرنا شروع کی تھیں۔ وہ 16 برسوں سے سزائے موت کے منتظر ہیں اور انہوں نے ان سولہ میں سے تین برس قیدِ تنہائی میں کاٹے ہیں جس کی پاکستانی قانون اجازت نہیں دیتا۔

وہ دماغی ہیجان، پاگل پن کے دوروں اور ہذیان کا شکار رہتے ہیں۔ انہیں پہلے 2009 میں ایک ڈاکٹر نے دماغی خلل اور 2012 میں شیزوفرینیا کا مریض قرار دیا۔ موت کی کوٹھڑیوں میں گنجائش سے زیادہ قیدیوں کے ہونے کی وجہ سے ان کی بیماری اور زیادہ بگڑ گئی۔ ان کی رحم کی اپیل جو کہ اب صدر کے پاس زیرِ التوا ہے، 2015 میں فی الفور مسترد کر دی گئی تھی، پھانسی کا وارنٹ جاری ہو گیا جس کے مطابق طے پایا کہ انہیں 26 اگست 2016 کو پھانسی دی جائے گی۔ ان کے وکیلوں نے وارنٹ کو چیلنج کیا، اس دلیل کے ساتھ کہ امداد کی ذہنی بیماری کی طویل تاریخ جس کی جیل کے میڈیکل ریکارڈ سے بھی تصدیق ہوئی ہے کے باوجود میڈیکل بورڈ کے ذریعے ان کا معائنہ نہیں کروایا گیا حالانکہ ذہنی صحت آرڈیننس 2001 کے تحت ایسا کرنا لازمی ہے۔ ان کا یہ بھی مؤقف تھا کہ امداد کو ذہنی صحت کے ہسپتال کی بجائے جیل کے ہسپتال میں رکھا گیا جو کہ پاکستان جیل خانہ جات ضوابط 1978 کی خلاف ورزی ہے۔ عدالت عالیہ نے پٹیشن مسترد کر دی جبکہ عدالتِ عظمیٰ نے اپیل رد کر دی۔

عدالتِ عظمیٰ نے جس دن اپیل مسترد کی اُسی دن انسانی حقوق پر اقوام متحدہ کے ماہرین نے ایک بیان جاری کیا اور حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا کہ امداد کی پھانسی روکی جائے اور انسانی حقوق کے عالمی اصولوں کی مطابقت میں اس کے مقدمے کا دوبارہ ٹرائل کیا جائے۔ اقوام متحدہ کے ماہرین نے کہا کہ 'نفسیاتی و سماجی معذوری کے حامل افراد' کو پھانسی دینا 'سزائے موت کے حوالے سے حفاظتی تدابیر کی خلاف ورزی' ہے اور یہ کہ امداد کی پھانسی غیر قانونی ہے اور یہ ظالمانہ، غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک کے زمرے میں شمار ہو سکتی ہے۔ امداد کی پھانسی کے حکم نامے کے خلاف نظرثانی کی پٹیشن دائر کی گئی اور 14 نومبر 2016 کو عدالتِ عظمیٰ نے اس کی پھانسی روکنے کا حکم جاری کیا اور امداد کی ذہنی بیماری کا جائزہ لینے کے لیے ایک میڈیکل بورڈ تشکیل دینے کا حکم صادر کیا۔ میڈیکل بورڈ نے امداد کی ذہنی بیماری کی تصدیق کی تھی۔

اپریل 2018 میں، عدالتِ عظمیٰ نے دوسرے ذہنی بیمار قیدی کنیزہ بی بی کے مقدمے کا از خود نوٹس لیا اور امداد علی کا مقدمہ اس کے مقدمے کے ساتھ منسلک کر دیا۔ دونوں قیدیوں کی کے ذہنی معائنے کا حکم صادر کرتے ہوئے، ملک کی سب سے بڑی عدالت کا کہنا تھا کہ یہ مقدمہ سزائے موت کے منتظر تمام ذہنی بیمار قیدیوں کے لیے ایک نظیر ثابت ہوگا۔ میڈیکل بورڈ نے امداد علی کی ذہنی بیماری کی تصدیق کی تھی۔

> ایک ذہنی معذور شخص امداد علی کو لاہور ہائی کورٹ نے **2002** میں ایک مذہبی دانشور/ٹیچر کے قتل میں سزائے موت سنائی۔ امداد علی نے **1998** میں اپنے اہلِ خانہ کو شیزوفرینیا کی علامات ظاہر کرنا شروع کی تھیں۔ وہ **16** برسوں سے سزائے موت کے منتظر ہیں اور انہوں نے ان سولہ میں سے تین برس قیدِ تنہائی میں کاٹے ہیں جس کی پاکستانی قانون اجازت نہیں دیتا۔

اس کے علاوہ، امداد کو معافی دینے کے لیے عالمی برادری کے مسلسل دباؤ کے باوجود صدرِ مملکت امداد کی رحم کی اپیل کو نظر انداز کیے جا رہے ہیں۔

خضر حیات کے مقدمے کا خلاصہ

وفات پا چکے ہیں

خضر حیات کو 2003 میں اپنے ایک دوست اور اپنے ساتھ کام کرنے والے ایک پولیس افسر غلام غوث کو قتل کرنے کے جرم میں سزائے موت دی گئی۔ انہوں نے سزائے موت کی قیدی کی حیثیت سے 15 برس جیل میں گزارے ہیں۔

خِضر کے جیل میڈیکل ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں فروری 2008 سے 'نفسیاتی علامات' ظاہر ہونا شروع ہو گئی تھیں اگرچہ خضر کی بیماری 'پیرانائڈ شیزوفرینیا' کے بیج اس کی پیدائش سے ہی تھے۔ میڈیکل اتھارٹیز اور ماہرینِ نفسیات نے گذشتہ برسوں کے دوران کئی بار کہا کہ حیات شدید ذہنی بیماری کا شکار ہے اور یہ کہ وہ شدید قسم کے وسوسوں اور دماغی عارضے میں مبتلا ہے۔ ان دماغی بیماریوں نے اسے اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ وہ دیگر قیدیوں کی خوفناک بدسلوکی اور حملوں کا نشانہ بنا ہے۔، ایک مرتبہ اُسے اتنا زیادہ مارا گیا کہ اُس کے سر پر لگنے والی چوٹوں کی وجہ سے اسے ہسپتال منتقل کرنا پڑا۔ جیل میں اس کا سارا وقت مکمل تنہائی میں گزرا ہے، عملی لحاظ سے وہ قیدِ تنہائی کا شکار رہا ہے جس کی پاکستانی قانون اجازت نہیں دیتا۔ 2012 تک وہ اتنا ز؟ ادہ وہمی ہو گیا تھا کہ اسے جیل میں باقی قیدیوں کے ساتھ رکھنا ممکن نہیں رہا تھا اور جیل کے ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ 2009 میں اس کی والدہ نے درخواست کی تھی کہ اسے کسی باقاعدہ طبی مرکز منتقل کیا جائے اور کسی فورینسک ماہرِ نفسیات کو اس کا معائنہ کرنا چاہیے، تاہم وہ درخواست رد کر دی گئی۔

10 جون 2015 کو سیشن کورٹ لاہور نے حیات کا بلیک وارنٹ جاری کیا جس کی رو سے چھ دن بعد اسے پھانسی دینا طے پایا۔ اس کے وکیلوں نے پٹیشن دائر کی جس میں اس کی ذہنی صحت کی روشنی میں پھانسی کی قانونی حیثیت کو چیلنج کیا گیا مگر جیل حکام نے وہ پٹیشن رد کر دی۔ اُن کا کہنا تھا کہ خضر کو 'کسی حد تک زمان و مکان کے حوالے سے آگہی' کا مسئلہ درپیش ہے۔ اس بیان کو خضر کے مقدمے میں دستیاب میڈیکل شہادت، نیز اس کے اہلِ خانہ اور وکیلوں نے غلط قرار دیا تھا مگر اس کے باوجود، اُس رپورٹ بنیاد پر اس کی پھانسی کے نئے وارنٹ جاری کیے گئے۔ جنوری 2017 میں، لاہور ہائی کورٹ نے خضر کی پھانسی روکی مگر اس کی رحم کی پٹیشن پر کئی برسوں سے فیصلہ نہیں ہو سکا۔

دسمبر 2018 میں، لاہور ہائی کورٹ نے خضر کو کسی صحت کے مرکز میں منتقل کرنے کی پٹیشن خارج کر دی اور یہ کہا کہ 'اس طرح کی جذباتی علالتوں کی بنا پر پھانسی نہیں روکی جا سکتی'۔ اس طرح عدالت نے یہ کہہ کر پھانسی کے ایک اور وارنٹ کی راہ ہموار کی۔ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (این سی ایچ آر) نے اُس وقت متعلقہ حکام کو حکم دیا تھا کہ عدالتِ عظمیٰ کی جانب سے معاملے کے تصفیے تک خضر کے بلیک وارنٹ جاری نہ کیے جائیں۔ تاہم، این سی ایچ آر کے حکم کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے 10 جنوری 2019 کو خضر کی پھانسی کے وارنٹ جاری کر دیے گے۔

عوامی احتجاج اور عدالتِ عظمیٰ کی بروقت مداخلت نے خِضر کی زندگی بچا لی۔ پھانسی روک دی گئی اور مقدمہ ایس سی کے بڑے بنچ کو منتقل کر دیا گیا جو اس وقت دو ذہنی مریض قیدیوں امداد علی اور کنیزہ بی بی کا مقدمہ سن رہا ہے جن کا فیصلہ ایسے مقدمات کے لیے نظیر ثابت ہوگا۔ بدقسمتی سے اس سے پہلے کہ عدالتِ عظمیٰ میں خضر کے مقدمے کی سماعت شروع ہوتی وہ شدید علیل پڑ گیا۔ 15 مارچ 2019 کو اسے شدید تشویشناک حالت میں جناح ہسپتال لاہور منتقل کیا گیا اور 22 مارچ کی علی الصبح وہ وفات پا گیا۔

انسداد دہشت گردی کا قانون رحم کے حق سے محروم کرتا ہے۔انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997 (اے ٹی اے) دہشت گردی والے جرائم میں سزا پانے والے لوگوں کی سزا میں کمی یا معافی کی ممانعت کرتا ہے۔" کسی بھی فرد کی سزا کم نہیں کی جائے گی جسے (قانون کے تحت) کسی جرم میں سزا ہوئی ہے۔" یہ دفعہ آئین اور عدالت عظمیٰ کی نظیر کی براہ راست منافی ہے جن کی رو سے رحم کی پٹیشنوں کے حوالے سے صدر کے پاس مکمل اختیار ہے۔اس کے علاوہ، 'دہشت گردی' کی وسیع تر تعریف اگر سب کی نہیں تو ایسے بہت سے جرائم کو اپنی لپیٹ میں لیلیتی ہے جن پر سزائے موت لاگو ہے۔اے ٹی اے کے وسیع تر اطلاق کا مطلب ہے کہ قتل میں سزا پانے والے کسی فرد کو مثال کے طور پر، علاقے میں خوف اور عدم تحفظ کا احساس پیدا کرنے پر 'ضابطہ تعزیرات پاکستان اور اے ٹی اے دونوں کے تحت سزا ہو سکتی ہے۔اگر اسے اے ٹی اے کے تحت سزا ہوتی ہے تو پھر وہ فرد رحم کے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سزائے موت کے کئی قیدی سزا پانے کے بعد کے کئی ایسے حقوق سے محروم ہو جاتے ہیں جن کے وہ آئینِ پاکستان کے تحت مستحق ہیں۔

شفقت حسین: مقدمے کا خلاصہ

رحم کی پٹیشن رد کردی گئی

شفقت حسین کو کراچی کے ایک اپارٹمنٹ جہاں وہ گارڈ اور نگران کے طور پر کام کرتا تھا، سے ایک دوسرے بچے کو اغواء کرنے کے شبے میں گرفتار کیا گیا۔بعد کے دنوں میں، شفقت حسین پر اعترافِ جرم کے لیے نو دن تک بدترین تشدد کیا گیا اور اس اعترافِ جرم کو ٹرائل میں اس کے خلاف واحد شہادت کے طور پر استعمال کیا گیا۔شفقت حیسن کی نوعمری، اس کی بے گناہی، ایذارسانی کے الزامات اور اس کے ابتدائی وکیل کی شدید قسم کی نااہلی کے سبب اس کی پھانسی پر عملدرآمد سات بار روکا گیا۔

شفقت کی پھانسی کی حتمی تاریخ کے اعلان سے پہلے، صدر کو ایک نئی پٹیشن جمع کروائی گئی جس میں مؤقف اختیار کیا گیا کہ شفقت کی سزائے موت کو تبدیل کیا جائے یا پھر قانون کے ذریعے تشکیل ہونے والے انسانی حقوق کے ادارے سندھ ہیومن رائٹس کمیشن کی سفارشات کی بنیاد پر پھانسی پر عملدرآمد روکا جائے۔کمیشن نے سفارش کی تھی کہ عدالتوں کی طرف سے 'لاپراہی' سے مقدمے سے نبٹنے کی وجہ سے مقدمہ کا دوبارہ ٹرائل کیا جائے۔

آزاد جموں وکشمیر جہاں شفقت کے اہلِ خانہ رہتے ہیں کے صدر نے ان سفارشات کی حمایت کی تھی۔انہوں نے بھی پھانسی پر عملدرآمد روکنے اور مقدمے کا دوبارہ جائزہ لینے کا مطالبہ کیا تھا۔

شفقت کے وکیلوں کی پٹیشن، اے جے کے صدر کے خط، یا سندھ ہیومن رائٹس کمیشن کی سفارشات کا جواب نہیں آیا اور شفقت کو 4 اگست 2015 کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔چونکہ شفقت کو اغوا کے الزام میں انسداد دہشت گردی کی عدالت سے سزا ہوئی تھی، اس لیے رحم کی پٹیشن بے کار ثابت ہوئیں۔اے ٹی اے کے تحت یہ پالیسی، جس کی نشاندہی شفقت حسین کے مقدمے سے ہوئی ہے، ملکی و عالمی قانون کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

> حکومتِ پاکستان کو اِس آرٹیکل کے تحت قیدیوں کو ان کے حقوق کے متعلق تعلیم دینے کے لیے صوبائی حکام کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے اور رحم کی پٹیشنوں پر غور وخوض کے لیے ایک واضح اور شفاف نظام متعارف کرنا چاہیے۔ایک ایسا نظام جس میں قیدیوں اور ان کے نمائندوں کو شمولیت کے مواقع مل سکیں۔

ماحصل اور سفارشات

معافی دینے کے اختیار کے دانشمندانہ استعمال کی بابت عالمی معیارات کی پاسداری میں ناکامی صرف ایک شعبہ ہے جس میں پھانسیوں کی دوبارہ شروعات کے حوالےسے پاکستان ناکامی سے دوچار ہے۔تاہم، یہ ایک ایسا شعبہ بھی ہے جس کی اصلاح آسانی سے ہوسکتی ہے۔اگر پاکستان اپنے سزائے موت کے نظام کو عالمی قانون کی مطابقت میں لانے میں سنجیدہ ہے تو پھر اسے درج ذیل اقدامات کرنے ہوں گے۔

1۔ رحم کی اپیلیں منظور نہ کرنے کی پالیسی فی الفور ترک کرنے کا اعلان کیا جائے۔ اس کے علاوہ، دسمبر 2014 سے لے کر اب تک آرٹیکل 45 کے تحت صدر نے جو اختیار استعمال کیا ہے اس سے متعلق اعداد وشمار شائع کیے جائیں۔

2۔ حکومتِ پاکستان کو چاہیے کہ وہ سزائے موت کے قیدیوں جو قانونی نمائندگی سے محروم ہوتے ہیں، کے ایماء پر جیل حکام کی طرف سے جمع ہونے والی رحم کی پٹیشنوں کے طریقہ کار کو بہتر کرے اور اس دوران کم از کم یہ چیز ضرور یقینی بنائے کہ پٹیشنوں میں تمام ضروری تفصیلات موجود ہوں اور یہ کہ جیل حکام رحم کی پٹیشنیں جمع کرواتے وقت سزائے موت کے قیدیوں کے اہلِ خانہ سے مشورہ کیا کریں۔

3۔ حکومتِ پاکستان کو اِس آرٹیکل کے تحت قیدیوں کو ان کے حقوق کے متعلق تعلیم دینے کے لیے صوبائی حکام کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے اور رحم کی پٹیشنوں پر غور وخوض کے لیے ایک واضح اور شفاف نظام متعارف کرنا چاہیے۔ ایک ایسا نظام جس میں قیدیوں اور ان کے نمائندوں کو شمولیت کے مواقع مل سکیں۔

4۔ حکومتِ پاکستان کو آرٹیکل 45 کے تحت رحم کی پٹیشنوں پر لیے گئے فیصلوں کی تحریری وجوہ دینے کا عزم کرنا چاہیے۔

5۔ حکومت پاکستان کو رحم کی پٹیشنوں کو ایک معقول مدت کے دوران نبٹانے کا عزم کرنا ہوگا۔جہاں غیر ضروری تاخیر ہوتی ہے وہاں قیدیوں کی سزا خود بخود کم ہوجانی چاہیے۔

6۔ شدید ذہنی اور/ یا جسمانی بیماری کے حامل قیدیوں کے ایماء پر جو رحم کی پٹیشنیں دائر ہوں حکومتِ پاکستان ان کا سزا میں تخفیف کے نقطہ نظر سے بغور جائزہ لے۔

7۔ حکومتِ پاکستان کو ایسے تمام مقدمات کا دوبارہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے جن میں لوگوں کو جووینائل جسٹس سسٹم آرڈینیس کے نفاذ سے پہلے سزا ہوئی تھی اور ان کیسز میں عمر کے تعین کے حوالے سے بہت سے جواب طلب سوالات موجود ہیں اور قیدیوں کی عمر کے درست تعین کے لیے فی الفور انکوائری کے لیے عدلیہ کے ساتھ مل کر کام کرنے کی بھی ضرورت ہے تاکہ وہ قیدی 2001 کے صدارتی آرڈر 2001 سے مستفید ہو سکیں۔جہاں کہیں شہادت کی کمی ہے، یا متضاد شہادت دستیاب ہے اور قیدی کی عمر کے حوالے سے کسی قسم کا کوئی شک ہے تو اس شک کا فائدہ قیدی کو ملنا چاہیے۔

8۔ حکومتِ پاکستان کو آرٹیکل 45 کے تحت معاف کرنے اور سزا میں تخفیف کرنے کے صدارتی اختیار کے دائرہ کار پر حتمی قانون سازی کرنے کی ضرورت ہے۔اس قانون سازی کے ذریعے یہ چیز واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ کس قسم کے جرائم میں صدر اپنا یہ اختیار استعمال کر سکتے ہیں تاکہ پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت اور عدالت عظمیٰ کے فیصلوں سے پیدا ہونے والے ابہام ختم ہوسکیں۔

9۔ حکومتِ پاکستان کو اے ٹی اے کے آرٹیکل 21(و) کو ختم کرنا چاہیے تاکہ صدرِ مملکت پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 45 کے تحت معاف کرنے کے تمام اختیارات استعمال کرسکیں۔

10۔ حکومتِ پاکستان کو رحم کی اپیلوں پر نظر ثانی کے لیے کھلی کمیٹی کا نظام نافذ کرنا چاہیے تاکہ اس عمل کو زیادہ باخبر، شفاف اور منصفانہ بنایا جاسکے۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1
تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ - 2
ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقتدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3
ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4
کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جاسکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5
کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6
ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7
قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8
ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9
کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10
ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11
(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جاسکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12
کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13
(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14
(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جاسکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15
(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16
(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17
(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18
ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19
ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20
(1) ہر شخص کو پر امن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

دفعہ - 21
(ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22
معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23
(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جاسکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24
ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25
(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26
(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27
(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں

دفعہ - 28
ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہوسکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29
(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جاسکتیں۔

دفعہ - 30
اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

Human Rights Commission of Pakistan

جہد حق

Monthly JEHD-E-HAQ

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر : مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15